نام کتاب : غاية المريد في شرح كتاب التوحيد

مولف : فضیلۃ الشیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ

صفحات : ۲۹۶

ناشر : دار السلام

ASLIAHLESUNNET

:: www.AsliAhleSunnet.com ::

باب : ۱۰

جہاں غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہو وہاں اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنا جائز نہیں [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًاۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى ٱلتَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُواْۚ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُطَّهِّرِينَ ۝١٠٨ ﴾

(التوبۃ۹/ ۱۰۸)

(اے نبی!) ”آپ کبھی اس (مسجد ضرار) میں (عبادت کے لیے) کھڑے نہ ہوں‘ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے‘ وہ زیادہ موزوں ہے کہ آپ اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف

---

[1] اس باب سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جس جگہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں یا اس کے قرب و جوار میں اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ اس طرح غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والوں کے ساتھ مشابہت اور اشتراک ہو جاتا ہے۔

مثلاً مشرکین یا مبتدعین کی نظر میں کوئی جگہ قابل تعظیم ہو یا کوئی قبر وغیرہ جہاں صاحب قبر کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کیے جاتے ہوں‘ کسی موحد مسلمان کے لیے ایسی جگہ پر جانور ذبح کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ ذبیحہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس طرح اس جگہ کی تعظیم میں ان مشرکین سے مشابہت ہو جاتی ہے جو ان مقامات پر غیر اللہ کے لیے مختلف عبادات بجالاتے ہیں۔ پس جہاں غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جانور ذبح کرنا نہ صرف ناجائز بلکہ ذریعہ شرک ہے۔ اس سے اس جگہ کی تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ جبکہ یہ عمل حرام اور ذریعۂ شرک ہے۔

رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ کو بھی صفائی اور پاکیزگی اختیار کرنے والے لوگ ہی پسند ہیں۔"[1]

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَذَرَ رَجُلٌ أَنْ يَذْبَحَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِّنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوا: لاَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلاَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»(سنن أبي داود، الأيمان، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، ح:٣٣١٣ والسنن الكبرى للبيهقي، ح: ١٠/ ٨٣)

"ایک آدمی نے بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی' اس نے اس کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا' تو آپ نے فرمایا: کیا وہاں دور جاہلیت کے کسی بت کی پوجا ہوتی تھی؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ آپ نے مزید پوچھا: کیا وہاں مشرکین کا کوئی تہوار ہوتا تھا؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی نذر پوری کر لو۔ یاد

---

[1] منافقین نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ایک مسجد بنائی جسے قرآن میں "مسجد ضرار" کہا گیا ہے' چونکہ مسجد بنانے والوں کی اصل غرض' اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی مخالفت تھی۔ وہاں نماز پڑھنے سے ان کی تائید' ان کی تعداد میں اضافہ' اور عام لوگوں کے لیے وہاں نماز ادا کرنے کا جواز ثابت ہوتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی کو اور مومنین کو اس مسجد (ضرار) میں نماز ادا کرنے بلکہ کھڑے ہونے تک سے منع فرمادیا۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ اور باقی مومنین اگر وہاں نماز ادا کرتے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نماز ادا کرتے۔ وہاں نماز ادا کرنے سے ان کا مقصود' دین کو نقصان پہنچانا یا مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا یا اللہ اور رسول کی مخالفت قطعاً نہ ہوتا۔ مگر اس کے باوجود انہیں وہاں نماز ادا کرنے سے اس لیے منع کر دیا گیا کہ منافقین کے ساتھ مشارکت یا مشابہت نہ ہو۔ اسی طرح جس مقام پر غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کے لیے جانور ذبح کرنا بھی جائز نہیں اگرچہ اس سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا ہی مقصود کیوں نہ ہو کیونکہ اس طرح اس جگہ کی تعظیم اور مشرکین سے مشابہت ہوتی ہے۔

رکھو! جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے متعلق ہو یا انسان کے تصرف و اختیار میں نہ ہو' اسے پورا کرنا ہرگز جائز نہیں۔''(1)

---

(1) یہ مقام تفصیل طلب تھا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اسے تفصیل سے بیان فرمایا اور نبی ﷺ کے اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ بات ہوتی کہ وہاں جاہلیت کے کسی بت کی پوجا ہو رہی ہے تو وہاں قربانی کرنے کی ہرگز اجازت نہ ہوتی۔ یہاں حدیث بیان کرنے کا بھی یہی مقصد ہے۔

''اَلْعِيْد'' وہ جگہ جہاں لوگ بار بار آئیں یا وہ گھڑی اور زمانہ جو بار بار لوٹ کر آئے۔ کسی جگہ کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں لوگوں کا بار بار آنا ہوتا ہے اور ایک خاص و مقرر وقت میں لوگ اس جگہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی طرح زمانے بھی ایک معین وقت میں بار بار لوٹ کر آتے ہیں اس لیے انہیں بھی عید کہا جاتا ہے۔

اور یقینی بات ہے کہ مشرکین کی عیدیں...... خواہ جگہیں ہوں یا زمانے اور اوقات...... ان کے اپنے شرکیہ دین ہی پر مبنی ہوتی ہیں۔ یعنی وہ اپنی عیدوں میں شرکیہ عبادات ہی بجالاتے ہیں اور ان موقعوں پر جہاں وہ اور بہت سے افعال کرتے ہیں وہاں ان کا سب سے بڑا فعل غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کرنا اور خون بہانا ہوتا ہے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ جہاں مشرکین غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کرتے ہوں وہاں ان کے ساتھ شریک ہو کر ان کی ظاہری مشابہت اختیار کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا اگرچہ وہاں محض اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیوں نہ کیا جائے اور فقط رضائے الٰہی کی خاطر نماز کیوں نہ پڑھی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا:

«أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ»

''تو اپنی نذر پوری کر کیونکہ جس نذر میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو اسے پورا کرنا ہرگز جائز نہیں۔''

علماء کا کہنا ہے کہ ''فَإِنَّهُ'' میں ''فا'' اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نذر پوری کرنے کی اجازت کا سبب یہ ہے کہ اس نذر میں اللہ کی معصیت نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ کا اس آدمی سے تفصیل معلوم کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جہاں کسی بت کی پوجا ہوتی ہو یا مشرکین کی کوئی عید اور تہوار ہو وہاں اللہ کے لیے ذبح کرنا اللہ کی معصیت کا ارتکاب ہوگا۔

مسائل

① آیہ مبارکہ ﴿لَا تَقُمْ فِيهِ اَبَدًا﴾ کی تفسیر معلوم ہوئی۔
② بسااوقات اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا نافرمانی زمین پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔
③ کوئی مشکل مسئلہ سمجھانے کے لیے صورتِ مسئلہ کو اچھی طرح واضح کرنا چاہیے تاکہ کسی قسم کا کوئی اشکال نہ رہ جائے۔
④ مفتی، سائل سے حسب ضرورت متعلقہ تفاصیل اور وضاحتیں طلب کر سکتا ہے۔
⑤ منت اور نذر کے لیے کسی خاص مقام کو مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔
⑥ جس مقام پر کوئی "وثن" (بت) ہو وہاں نذر پوری کرنا یا کوئی دوسری عبادت بجا لانا منع ہے، خواہ اب اسے وہاں سے ختم کر دیا گیا ہو۔
⑦ جہاں مشرکین کا کوئی میلہ یا تہوار منایا جاتا ہو وہاں پر بھی نذر پوری نہیں کی جا سکتی خواہ اب وہ سلسلہ بند ہی ہو چکا ہو۔
⑧ اگر کسی نے مشرکین کے بت یا تہوار والی جگہ کی نذر مانی ہو تو اسے پورا کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ نافرمانی کی نذر ہے جو کہ ناجائز ہے۔
⑨ مشرکوں کے تہواروں میں شریک ہو کر ان کی مشابہت سے بچنا چاہیے اگرچہ ان کی مشابہت کا قصد و ارادہ نہ ہو۔
⑩ جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مشتمل ہو، وہ باطل ہے۔
⑪ جو کام انسان کی ملکیت اور اختیار میں نہ ہو، اس کی نذر ماننا بھی ناجائز اور غلط ہے۔

باب : ۱۱

غیراللہ کی نذر و نیاز شرک ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ ﴿٧﴾ ﴾ (الدهر٧٦/ ٧)

"یہ لوگ نذر پوری کرتے ہیں۔" [1]

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُهُۥ ﴾

(البقرہ٢/ ٢٧٠)

"اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو یا جو بھی نذر مانو' اللہ اسے جانتا ہے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ»(صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب النذر في الطاعة. الخ، ح:٦٦٩٦، ٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩)

"جو کوئی اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔" [2]

---

[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبادت مشروع اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اور چونکہ یہ عبادت ہے اس لیے اسے غیراللہ کے لیے بجالانا "شرک اکبر" ہے۔

[2] "مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهِ فَلْيُطِعْهُ" "جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔" اس میں جائز نذر پوری کرنے کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایسی ←

مسائل

① اطاعت والی نذر کو پورا کرنا ضروری ہے۔
② جب یہ ثابت ہو چکا کہ نذر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے تو پھر اسے غیراللہ کے لیے ماننا اور پورا کرنا شرک ہے۔
③ جو نذر معصیت پر مبنی ہو اسے پورا کرنا جائز نہیں۔

◄ عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب اور پسند ہے کیونکہ جو عمل شرعاً واجب ہو وہ عبادت ہوتا ہے اور جو عمل عبادت کے بجالانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہو وہ بھی عبادت ہوتا ہے۔ چونکہ نذر پوری کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ 'نذر ماننا ہے' اگر نذر ہی نہ مانی ہو تو پوری کیسے ہوگی؟ لہٰذا نذر کو پورا کرنا اس لیے واجب ہوا کہ انسان نے اس عبادت (نذر) کو خود اپنے آپ پر لازم کرلیا ہے۔

"وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَّعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ" "اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔" کیونکہ انسان کا اپنے آپ پر اللہ کی نافرمانی کو لازم کرلینا' اللہ کی طرف سے وارد شدہ نافرمانی کی ممانعت کے خلاف ہے بلکہ ایسے انسان پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے نذر ماننا ایک عظیم عبادت ہے اور غیراللہ کے لیے نذر ماننا بھی عبادت ہے جو حرام ہے۔ غیراللہ کے لیے نذر ماننے والا جب اپنی نذر پوری کرتا ہے تو وہ غیراللہ کی عبادت بجالاتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے نذر ماننے والا جب اپنی نذر پوری کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتا ہے۔

باب : ۱۲

غیراللہ سے پناہ مانگنا شرک ہے [1]

---

[1] غیراللہ سے استعاذہ' شرک اکبر ہے۔ استعاذہ کا معنی "پناہ مانگنا" ہے' یعنی جو چیز انسان کو شر سے محفوظ رکھ سکے اس کی طلب اور جستجو کرنا۔ اور طلب و جستجو' توجہ اور دعا کی ایک قسم ہے کیونکہ جستجو میں بنیادی چیز یہی ہوتی ہے۔ چونکہ جس سے کچھ مانگا جائے وہ مانگنے والے سے مقام و مرتبہ میں ارفع اور بلند ہوتا ہے اس لیے اس کے متعلقہ فعل کو دعا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا درحقیت استعاذہ سے مراد پناہ لینے کی دعا کرنا ہے۔ اور جب یہ دعا ہے تو عبادت بھی ہے اور ہر قسم کی عبادت کا سزاوار صرف اللہ عزوجل ہے۔ اس پر امت مسلمہ کا اتفاق بھی ہے اور قرآن کی آیات بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ ﴾ (الجن ۷۲/ ۱۸)

"اور بلاشبہ سب مسجدیں اللہ کی ہیں تو تم اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ ﴾ (الإسراء ۱۷/ ۲۳)

"اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔"

بلکہ ہر وہ دلیل جس میں محض اللہ سے دعا کرنے اور اسی کی عبادت کرنے کا ذکر ہے وہ بالخصوص اس مسئلہ (استعاذہ) کی دلیل بھی ہے۔

اور جو استعاذہ اللہ عزوجل ہی سے درست ہے درحقیقت اس میں ظاہری عمل اور باطنی عمل دونوں شامل ہیں۔ ظاہری عمل تو پناہ لینا' شر سے محفوظ ہونا اور نجات پانا ہے اور باطنی عمل یہ ہے کہ جس سے پناہ مانگی جارہی ہے اس سے دلی لگاؤ اور قلبی طمانیت رکھنا' اپنی بے چارگی اور حاجت اسے پیش کرنا اور اپنی نجات کا معاملہ بھی اسی کے سپرد کر دینا۔

لہٰذا بالاتفاق یہ استعاذہ' اللہ رب العزت کے سوا کسی دوسرے سے درست نہیں ہے۔

اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ جو چیز مخلوق کے بس میں ہے اس کی پناہ مخلوق سے مانگنا جائز ہے تو یہ اس وجہ سے کہ ایسے دلائل موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مخلوق ←

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأَنَّهُۥ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ ٱلْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ ٱلْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ﴿٦﴾ ﴾

(الجن۷۲/ ٦)

"اور بعض لوگ جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے تو اس طرح وہ (جنات) سرکشی میں اور بڑھ گئے۔" (۱)

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی جگہ قیام کرے اور یہ دعا پڑھ لے:

«أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب في التعوذ من سوء القضاء، ح:٢٧٠٨ وجامع الترمذي، الدعوات، باب ما جاء ما يقول إذا نزل منزلا، ح:٣٤٣٧)

"میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔"

تو اسکے وہاں سے روانہ ہونے تک کوئی چیز اسے ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ (۲)

⬅ سے پناہ، محض زبانی طور پر مانگی جاتی ہے، دلی طمانیت اور لگاؤ اللہ عزوجل ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ حسن ظن ہوتا ہے کہ یہ بندہ تو محض ایک سبب ہے، درحقیقت پناہ دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

لہٰذا جب ظاہری طور پر مخلوق سے پناہ مانگی جائے اور دلی رجحان اور توجہ مخلوق کی طرف نہ ہو تو پھر مخلوق سے پناہ مانگنا جائز ہوگا۔ اسی لیے اہل خرافات کا یہ قول باطل ہے کہ مردوں، جنات، اولیاء کرام اور دیگر مخلوق سے ان چیزوں کی پناہ مانگنا جائز ہے جو ان کی قدرت اور طاقت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پناہ دینے کی قدرت بھی دے رکھی ہے۔

(۱) یہاں "رَهَقًا" کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اس قدر خوف و اضطراب پیدا ہوگیا کہ وہ (جنات) ان پر ظلم و زیادتی کرنے لگے۔ ظلم جسم پر بھی ہوتا ہے اور روح پر بھی۔ گویا ان پر جنات کا یہ ظلم بطور سزا تھا اور سزا کسی گناہ ہی پر ہوتی ہے (تو معلوم ہوا کہ غیراللہ سے پناہ مانگنا گناہ ہے)

آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی مذمت بیان ہوئی ہے اور یہ مذمت صرف اس لیے ہے کہ انہوں نے اس عبادت کا حقدار غیراللہ کو ٹھہرایا جبکہ اللہ عزوجل کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی سے پناہ نہ مانگی ⬅

مسائل

① اس باب سے سورۃ الجن کی آیت نمبر۶ کی تفسیر ہوئی۔
② غیراللہ کی پناہ لینا شرک ہے۔
③ اس دعا سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات (کلام) مخلوق نہیں۔ اگر یہ کلمات مخلوق ہوتے تو ان کی پناہ طلب نہ کی جاتی کیونکہ مخلوق سے پناہ طلب کرنا شرک ہے۔
④ اس حدیث سے مذکورہ دعا کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے' اگرچہ یہ مختصر سی ہے۔
⑤ کسی سے دنیوی فائدہ کا حاصل ہو جانا مثلاً کسی شر سے تحفظ یا کسی منفعت کا حاصل ہو جانا' یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عمل جائز ہی ہے (بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ عمل شرک بھی ہو)

جائے۔ امام قتادہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر اسلاف کا قول یہ ہے کہ "رَهَقًا" کا معنی "گناہ" ہے اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیراللہ سے پناہ مانگنا باعث گناہ ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے اللہ کے کلمات کی پناہ مانگنے کی فضیلت بیان فرمائی اور شریر مخلوقات سے اللہ کے کلمات کی پناہ میں آنے کا سبق دیا ہے۔

"مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" "ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔" اس سے مقصود ان مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنا ہے جن میں شر ہو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی ایسی پاکیزہ مخلوقات بھی ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی شر نہیں بلکہ وہ سراپا خیر ہیں' مثلاً جنت' ملائکہ' انبیاء' رسل اور اولیاء وغیرہ۔

باب : ۱۳

غیراللہ سے فریاد کرنا یا اسے پکارنا شرک ہے ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِۦ ۚ يُصِيبُ بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾ ﴾ (یونس ۱۰/ ۱۰۶-۱۰۷)

''اور تم اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکارو جو تمھارا بھلا کر سکے نہ نقصان' اگر تم نے ایسا

① اگرچہ استغاثہ (فریاد کرنا) دعا ہی کی ایک قسم ہے لیکن اس کو بالخصوص علیحدہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ جس طرح دعا ایک طلب اور عرض ہوتی ہے اسی طرح فریاد کرنا بھی دراصل عرض کرنا ہی ہوتا ہے۔

استغاثہ کا معنی فریاد کرنا ہے۔ جو شخص شدید دکھ اور پریشانی میں اس قدر مبتلا ہو کہ اسے سخت نقصان پہنچنے یا اس کے ہلاک ہو جانے کا خدشہ ہو تو اس کی فریاد رسی کو غوث کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جب یہ کہا جائے کہ فلاں نے فلاں کی فریاد رسی کی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے مدد کرتے ہوئے اسے اس مصیبت سے چھٹکارا دلایا جس میں وہ جکڑا ہوا تھا۔ چنانچہ جب مخلوق سے کسی ایسے کام کی فریاد کی جائے جو مخلوق کے بس میں نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے بس اور اس کی قدرت میں ہو تو یہ فریاد کرنا شرک اکبر ہو گا۔ ہاں اگر مخلوق کے بس میں ہو تو جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں کہا ہے۔

﴿ فَٱسْتَغَـٰثَهُ ٱلَّذِى مِن شِيعَتِهِۦ عَلَى ٱلَّذِى مِنْ عَدُوِّهِۦ ﴾ (القصص ۲۸/ ۱۵)

''جو شخص موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم سے تھا اس نے ان سے اپنے دشمن کے خلاف فریاد کی۔''

غیراللہ کو بطور عبادت پکارنا شرک اکبر ہے۔

پکار کی دو قسمیں ہیں ① بطور سوال پکارنا یعنی اللہ سے مانگنے اور طلب کرنے کے لیے ہاتھ اٹھا کر اسے پکارنا۔ ہمارے ہاں عموماً اسے دعا کہا جاتا ہے۔ ② بطور عبادت پکارنا جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔

کیا تو تم ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہو جاؤ گے اور اگر اللہ تمھیں کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ تمھارے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روک نہیں سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔"[1]

◄ ﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَـٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ ﴾ (الجن ٧٢/ ١٨)

"اور بلاشبہ سب مسجدیں اللہ کی ہیں تو تم اس کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔"

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے "اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ" کہ "دعا (پکار) ہی عبادت ہے۔"

چنانچہ بطور عبادت پکارنا ایسے ہی ہو گا جیسے کوئی آدمی نماز پڑھتا یا زکوۃ ادا کرتا ہے کیونکہ عبادت کی کوئی بھی قسم ہو اسے "دعا" (پکارنا) کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ پکارنا بطور عبادت ہوتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی تو پھر قرآنی دلائل اور اہل علم کی طرف سے پیش کیے جانے والے دلائل کو سمجھنے کے لیے مذکورہ بالا تفصیل اور تقسیم انتہائی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اصل خرافات اور شرک کی دعوت دینے والے لوگ مسئلہ دعا کے بارے میں وارد شدہ آیت "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ" (المؤمن ٤٠/ ٦٠) کی غلط تاویل کرتے ہیں جبکہ در حقیقت بطور سوال پکارنے اور بطور عبادت پکارنے میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق ہے۔ بطور سوال پکارنا عبادت کی ایک قسم ہے اور بطور عبادت پکارنے سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اللہ سے قبولیت کا سوال بھی کیا جائے۔

[1] "وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اور اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکارو۔

یہ ممانعت ہے اور اس میں بطور سوال اور بطور عبادت دونوں طرح پکارنے کی نفی ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے بھی اس آیت سے یہی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کو بطور سوال یا بطور عبادت پکارے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس حکم کے اولین مخاطب امام المتقین و امام الموحدین محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

"مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" میں دو مفہوم آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر نہ پکارو اور دوسرا یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مت پکارو۔

"مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ" جو تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اس میں ذوی العقول، مثلاً فرشتے، انبیاء و رسل اور اولیاء اور غیر ذوی العقول، مثلاً بت، درخت اور پتھر سبھی شامل ہیں۔

"فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ" اگر آپ نے ایسا کیا یعنی اللہ کے ساتھ یا اللہ کو چھوڑ کر کسی کو ◄

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَٱبْتَغُوا۟ عِندَ ٱللَّهِ ٱلرِّزْقَ وَٱعْبُدُوهُ وَٱشْكُرُوا۟ لَهُۥٓ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٧﴾ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ۱۷)

"تم اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس اللہ ہی سے رزق طلب کرو۔ اور اس کی بندگی کرو اور اس کا شکر بجالاؤ۔ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"[1]

⬅ پکارا جبکہ وہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان تو آپ اس پکارنے کی وجہ سے ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔

جب نبی کریم ﷺ سے یہ بات کہی جا رہی ہے حالانکہ ان کے ذریعے اللہ نے توحید کی تکمیل کی کہ غیر اللہ کو پکارنے کی وجہ سے آپ ظالم اور مشرک ٹھہریں گے تو پھر جو شخص معصوم عن الخطاء نہیں اس کے لیے یہ بہت بڑی تنبیہ ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے کی وجہ سے وہ بالاولیٰ ظالم اور مشرک ٹھہرے گا۔ اس کے بعد اللہ عزوجل نے دل سے شرک کی تمام جڑوں کو کاٹنے کے لیے فرمایا:

﴿ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ﴾ (یونس ۱۰/ ۱۰۷)

"اور اگر اللہ تعالیٰ تمھیں کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور نہیں کر سکتا۔"

اگر اللہ کی طرف سے آپ کو کوئی نقصان پہنچے تو اسے کون دور کرے گا؟ یقیناً وہی جس نے مقدر میں لکھا اور فیصلہ کیا ہے۔ اس سے غیر اللہ کی طرف رخ کرنے کی قطعاً نفی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس بات کی اجازت ہے کہ جو کام بشر کے بس میں ہو اس کے لیے اس کی طرف رخ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مدد طلب کرنا' پانی مانگنا وغیرہ۔ کیونکہ اسے اللہ نے مشکل حل کرنے کا سبب اور ذریعہ بنایا ہے جبکہ درحقیقت مشکل کشا تو صرف اللہ ہی ہے۔ "ضُرٌّ" کوئی نقصان۔ اس میں نقصان کی تمام تر قسمیں شامل ہیں یعنی دینی نقصان ہو یا دنیوی' بدنی ہو یا مالی یا عیالی۔ ہر قسم کے نقصان کو دور کرنے والا صرف اللہ ہی ہے۔

[1] "فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ"۔ "پس تم اللہ تعالیٰ ہی سے رزق طلب کرو۔"

علمائے معانی نے لکھا ہے کہ بیان میں مؤخر کو مقدم کرنے سے تخصیص حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ "تم صرف اللہ ہی سے رزق طلب کرو۔" اس طلب کو اللہ ہی کے ساتھ خاص رکھو' طلب رزق کے لیے غیر اللہ سے فریاد نہ کرو۔ رزق کا لفظ عام ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کو ⬅

مزید ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا۟ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُۥٓ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَهُمْ عَن دُعَآئِهِمْ غَـٰفِلُونَ ۝٥ وَإِذَا حُشِرَ ٱلنَّاسُ كَانُوا۟ لَهُمْ أَعْدَآءً وَكَانُوا۟ بِعِبَادَتِهِمْ كَـٰفِرِينَ ۝٦ ﴾ (الأحقاف٤٦/ ٥۔٦)

''اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک (اس کی پکار سن کر) اسے جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں اور قیامت کو جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے تو اس وقت وہ ان پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے۔ اور ان کی پرستش کا انکار کریں گے۔''[1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ ٱلْأَرْضِ ۗ أَءِلَـٰهٌ مَّعَ ٱللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝٦٢ ﴾ (النمل٢٧/ ٦٢)

''جب کوئی لاچار فریاد کرے تو کون ہے جو اس کی پکار اور فریاد کو سنے؟ کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے؟ اور کون ہے جو تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے۔ تو بھلا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو''[2]

ملے اور عطا ہو اسے رزق کہا جاتا ہے۔ اس میں صحت' عافیت اور مال و دولت سب کچھ شامل ہے۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے "وَاعْبُدُوْهُ" (اور اس کی بندگی کرو) فرمایا تاکہ بطور سوال اور بطور عبادت دونوں طرح کا پکارنا اس میں شامل ہو جائے۔

[1] اس آیت میں ان لوگوں کی گمراہی کی انتہا بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مردوں کو پکارتے ہیں اس سے بتوں' پتھروں یا درختوں کو پکارنا مراد نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" جو قیامت تک (اس کی پکار سن کر) اسے جواب نہیں دے سکتے اور یہ اشیاء تو قیامت کے بعد بھی سننے پر قادر نہیں جبکہ مردے قیامت کے بعد اٹھ کر سننے لگیں گے۔

نیز اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آیت میں "مَنْ" حرف موصول ہے۔ اس کا اطلاق ذوی العقول پر ہوتا ہے جو دوسروں سے بات کر سکتے ہوں اور ان سے بات کی جا سکتی ہو۔ وہ خود علم رکھتے ہوں اور ان سے علم حاصل کیا جا سکتا ہو۔

[2] اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بے کس اور لاچار آدمی کی دعا جو کہ بطور سوال ہوتی ہے

اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے باسند بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک منافق مومنوں یعنی صحابہ کرام کو بہت ایذائیں دیا کرتا تھا۔ صحابہ نے مشورہ کیا کہ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے گلو خلاصی کے لیے استغاثہ کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! مجھ سے فریاد نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ فریاد و پکار صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئے۔" [1]

مسائل

① دعا (پکارنا) عام ہے اور استغاثہ (فریاد کرنا) خاص۔ پس استغاثہ کے بعد دعا کا ذکر کرنا "عَطْفُ الْعَامِّ عَلَى الْخَاصِّ" کے قبیل سے ہے۔

② آیت مبارکہ "وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ" کی تفسیر بھی ہوئی۔

③ غیراللہ کو پکارنا اور اس سے فریاد کرنا شرک اکبر ہے۔

④ نیز ثابت ہوا کہ اگر کوئی انتہائی برگزیدہ بندہ بھی غیراللہ کو راضی کرنے کے لیے اسے

← صرف اللہ عزوجل سنتا ہے اور پھر کبھی تو انسان کی فریاد پر تکلیف دور کرتا ہے اور کبھی بغیر فریاد کیے۔

"ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ" تو بھلا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں جسے پکارا جائے یا جو چیز صرف اللہ کے اختیار میں ہو اس کی فریاد اس (غیراللہ) سے کی جائے۔

[1] مجمع الزوائد: (۱۵۹/۱۰) بعض روایات میں صراحت ہے کہ یہ مشورہ دینے والے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کرنا جائز تھا۔ کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ سے ایسی مدد طلب کی جس پر آپ کو زندگی میں قدرت حاصل تھی۔ چونکہ وہ منافق اہل ایمان کو ایذائیں دیا کرتا تھا آپ اس کو قتل کرنے' قید کرنے یا اس کے بارے میں کسی تعزیر کا حکم سنا کر یا کوئی دوسرا حکم دے کر صحابہ کی مدد کرسکتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک ایسے معاملہ میں آپ کی طرف رجوع کیا جس پر آپ کو قدرت تھی۔ اس موقع پر بھی آپ نے تعلیم و ارشاد فرماتے ہوئے ادب سکھایا اور تنبیہ فرمائی کہ دیکھو میرے سامنے فریاد نہ کی جائے' فریاد اور پکار سب سے پہلے صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئے۔

پکارے تو وہ بھی ظالموں میں سے ہو گا۔

۵ اس باب سے "وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" سے بعد والی آیت "وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ" کی تفسیر بھی معلوم ہوئی۔

۶ غیراللہ کو پکارنا دنیا میں کچھ نفع بخش نہیں اور پھر یہ کفر بھی ہے۔

۷ تیسری آیہ مبارکہ "فَابْتَغُوْا عِنْدَاللّٰهِ الرِّزْقَ" کی تفسیر بھی ہوئی۔

۸ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے روزی مانگنا ایسے ہی درست نہیں جیسے اس کے سوا کسی دوسرے سے جنت نہیں مانگی جاسکتی۔

۹ اس بحث سے چوتھی آیہ مبارکہ "وَمَنْ اَضَلُّ" کی تفسیر بھی ہوتی ہے۔

۱۰ جو شخص کسی غیراللہ کو پکارے یا اس سے فریاد کرے اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں۔

۱۱ جن (غیراللہ) کو پکارا جاتا ہے وہ تو پکارنے والے کی پکار سے بے خبر ہیں۔

۱۲ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے وہ اس پکار کے سبب قیامت کے دن ان پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے۔

۱۳ غیراللہ کو پکارنا درحقیقت اس کی عبادت ہے۔

۱۴ جن کو پکارا جاتا ہے وہ قیامت کے دن ان کی عبادت اور پکار کا انکار کریں گے۔

۱۵ ان امور کی وجہ ہی سے انسان سب سے زیادہ گمراہ کہلاتا ہے۔

۱۶ اس باب سے آیہ "اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ" کی تفسیر بھی ہوتی ہے۔

۱۷ حیران کن بات یہ ہے کہ بتوں کے پجاری بھی اعتراف کرتے ہیں کہ پریشان و لاچار کی پکار کو صرف اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور وہی نجات دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشکلات میں وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔

۱۸ نبی ﷺ نے مکمل طور پر گلشن توحید کی حفاظت فرمائی اور امت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ادب و احترام ملحوظ رکھنا چاہئے اس کی تعلیم بھی آپ نے دی۔

باب : ۱۴

بے اختیار کو پکارنا شرک ہے ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ ﴾ (الأعراف/٧ ١٩١-١٩٢)

"کیا وہ ان کو اللہ کے شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی۔"

---

① سابقہ ابواب کے بعد اس باب کا لانا حسن سیاق، فقہی عظمت اور رسوخ فی العلم کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت میں اسی کے مستحق ہونے کی اصل دلیل وہ ہے جو ہر انسان کی فطرت میں اس کی ربوبیت کے اقرار کی صورت میں موجود ہے۔ فطری، مشاہداتی اور عقلی دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عبادت کا مستحق صرف ایک اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ اس باب میں یہ وضاحت ہے کہ خالق، رازق، مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی ان امور میں سے کسی کا مالک نہیں۔ حتیٰ کہ مخلوق میں سب سے اعلیٰ مقام رکھنے والے نبی ﷺ کو بھی ان میں سے کسی چیز کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ ﴾ (آل عمران/٣ ١٢٨)

"آپ کو کسی بھی چیز کا اختیار نہیں۔"

جب نبی ﷺ کو کسی بھی چیز کا اختیار نہیں تو پھر کون ہے جسے ہر چیز کا اختیار ہے؟ وہ صرف ایک اللہ ہی ہے۔ جب نبی ﷺ سے اس بات کی نفی ہو گئی تو پھر آپ سے کم تر درجہ والوں کی تو بالاولیٰ نفی ہوئی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر اصحاب قبور، صالحین یا انبیاء و اولیاء کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ بھی صاحب قوت و اختیار ہیں۔ اور کچھ امور کے وہ بھی مالک ہیں۔ رزق بھی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر واسطہ اور سفارش کا حق رکھتے ہیں۔ ایسی سب باتیں غلط ⟸

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ ﴾ (الفاطر ٣٥/ ١٣-١٤)

"اور تم اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی ایک گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ تم اگر ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور اگر بفرض محال سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ اور اللہ خبیر کی طرح تمہیں کوئی خبر نہیں دے سکتا۔"[1]

ہیں کیونکہ وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے پروردہ اور اس کی مخلوق ہیں۔ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں جو ان سے درخواست کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں بے شمار دلائل سے ثابت ہے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا حق دار نہیں۔ انھی دلائل کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کے لیے توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ ان تمام دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ تم جس ذات کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہو عبادت کا بھی وہی مستحق ہے۔ قرآن کریم کے دلائل میں یہ بھی بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسولوں اور اولیاء کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی تھی۔ بعض دلائل میں مخلوق کی کمزوری بھی بیان ہوئی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ زندہ ہونے میں بھی مخلوق کا کوئی اختیار نہیں۔ بلکہ اللہ عزوجل ہی عدم سے وجود بخشتا ہے اور اسی کے حکم سے انسان بغیر کسی اختیار کے وجود کے بعد عدم میں جا پہنچتا ہے۔

لہٰذا مخلوق مجبور و مقہور ہے۔ اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں لانے اور لے جانے والا اللہ ہی ہے نہ کہ معبودان باطلہ۔ وہی زندگی اور موت سے دو چار کرتا ہے۔ ہر شخص فطری طور پر ان امور کا معترف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کا مالک ہے۔ اس کی ذات کامل' اور عظیم صفات سے متصف ہے۔ ہر قسم کا کمال اسی کو حاصل ہے۔ اس کے کسی نام یا صفت میں کوئی نقص یا کمی نہیں۔

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن ملائکہ' انبیاء' رسل اور فوت شدہ صالحین یا جنات کو پکارتے ہیں' ان میں سے کوئی بھی کھجور کی گٹھلی کے چھلکے تک کا بھی مالک نہیں تو یہ لوگ انھیں کیوں پکارتے اور ان سے حاجات کیوں طلب کرتے ہیں؟ انھیں چاہیے کہ اپنے تمام امور میں صرف اسی کو پکاریں جو ان تمام امور کا مالک اور تصرف کرنے والا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«شُجَّ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ، فَقَالَ: كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ؟ فَنَزَلَتْ: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة أحد، ح:١٧٩١ ومسند أحمد: ٣/٩٩، ١٧٨)

"نبی ﷺ غزوۂ احد میں زخمی ہو گئے اور آپ کے اگلے چار دانت شہید کر دیے گئے جس پر آپ نے فرمایا: "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا ہے۔" تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (اے نبی ﷺ!) "اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں۔"

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے نماز فجر کی آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھایا تو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کے بعد فرمایا:

«اَللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا»(صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى ﴿ليس لك من الأمر شيء﴾ ٤٠٦٩، ٤٥٥٩ ومسند أحمد: ٢/١٤٧)

"یا اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرما"۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (آل عمران٣/١٢٨)

(اے نبی ﷺ!) "اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں۔"

اور ایک روایت میں ہے:

«يَدْعُو عَلٰى صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ وَسُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو وَالْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، فَنَزَلَتْ: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (صحيح البخاري، المغازي، باب ليس لك من الأمر . . . ، ح:٤٠٧٠)

"آپ صفوان بن امیہ' سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے لیے بد دعا کر رہے تھے' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اے پیغمبر! اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار

نہیں۔"[1]

صحیح بخاری ہی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ٱلْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ ﴾ (الشعراء٢٦/ ٢١٤)

"اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔" تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

«يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ! أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، اِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ، لاَ أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ لاَ أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ لاَ أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، سَلِينِي مِنْ مَّالِي مَا شِئْتِ، لاَ أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا»(صحيح البخاري، الوصايا، باب هل يدخل النساء والولد في الأرقاب، ح:٢٧٥٣ ومسند أحمد:٢/ ٣٦٠)

"اے جماعت قریش! یا اس طرح کا کوئی لفظ فرمایا' جنت کے عوض اپنی جانوں کا سودا کرلو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے میری پھوپھی صفیہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ

---

[1] ان احادیث سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بادشاہت میں سے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے تھے اور آپ نے اس بات کی تبلیغ کی اور صاف صاف بیان بھی کر دیا تو پھر آپ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جسے یہ اختیار حاصل ہو؟ چنانچہ ملائکہ' انبیاء اور اولیاء و صالحین سے تو بالاولیٰ اس بات کی نفی ہو گئی۔ لہٰذا غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تمام تر صورتیں باطل ہیں اور یہ ضروری ہے کہ عبادت اور عبادت کی تمام انواع یعنی دعا' استغاثہ (فریاد)' استعاذہ (پناہ مانگنا)' ذبح اور نذر کا سزاوار صرف اور صرف ایک اللہ کو ٹھہرایا جائے' اس کے علاوہ کسی کو نہیں۔

آسکوں گا۔" ①

مسائل

① اس باب میں سورۃ الاعراف اور سورۂ فاطر کی مذکورہ آیات کی تفسیر ہے جن میں بے اختیار کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔

② غزوۂ احد کا (مختصر سا) تذکرہ ہے۔

③ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سید المرسلین ﷺ نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے اور آپ کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آمین کہا کرتے تھے۔

④ جن پر بد دعا کی جا رہی تھی وہ بلاشبہ کافر تھے۔

⑤ ان کفار نے نبی ﷺ کے ساتھ ایسی بدسلوکی کی تھی اور آپ کو ایسی ایذائیں دی تھیں کہ دیگر کفار نے ایسا نہ کیا تھا۔ مثلاً نبی ﷺ کو زخمی کرنا' آپ کے قتل کے درپے ہونا اور مسلمان شہداء کا مثلہ کرنا' حالانکہ وہ (شہداء) ان کفار کے عم زاد اور رشتہ دار بھی تھے۔ انہوں نے اس رشتے کا بھی لحاظ نہ کیا۔

⑥ اس کے باوجود ان کفار کی اس بدسلوکی اور نبی ﷺ کی ان کے خلاف بد دعاء کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ" کہ اے پیغمبر ﷺ! "اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں۔"

⑦ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: "أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ" کہ "اللہ تعالیٰ کی

---

① یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی کچھ نفع نہیں دے سکتے تھے۔ ہاں اللہ کا پیغام انہیں ضرور پہنچایا اور اللہ کی طرف سے سونپی گئی عظیم امانت (رسالت و نبوت) کا حق ادا کیا۔

رہی بات اللہ کے عذاب' سزا اور عقوبت سے بچانے کی! تو یاد رہے! اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنی بادشاہت میں کچھ اختیار نہیں دیا۔ وہ سلطنت و قدرت میں تنہا اور کمال' جمال اور جلال میں یکتا ہے۔

مرضی ہے وہ انھیں معاف کر دے یا عذاب دے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا اور وہ ایمان لے آئے۔

(۸) نزول حوادث کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

(۹) نماز میں جن لوگوں پر بد دعا کی جائے ان کا اور ان کے آباء و اجداد کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) قنوت نازلہ میں کسی مخصوص آدمی کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔

(۱۱) "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" کے نزول کے موقع پر آپ کا اپنے قریبی رشتہ داروں کو بلا کر ایک ایک کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے اور اپنی اپنی نجات کی فکر کرنے کا بھی اس باب میں بیان ہے۔

(۱۲) جب نبی ﷺ نے توحید کی دعوت دی تو نبی ﷺ کو "مجنون" کہا گیا۔ اسی طرح آج بھی اگر کوئی توحید کی دعوت دے تو اسے بھی اسی قسم کی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۱۳) نبی ﷺ نے اپنے قریبی اور دور کے رشتہ داروں سے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ حتیٰ کہ نبی ﷺ نے یہی بات اپنی لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے بھی بالصراحت فرما دی۔ نبی ﷺ سید المرسلین ہونے کے باوجود اپنی لخت جگر اور سیدہ نساء العالمین سے فرما رہے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔

اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔ ان صراحتوں کی روشنی میں آج کل کے حالات پر غور کیا جائے کہ اس غلط فہمی (کہ اللہ کے ہاں انبیاء اور صالحین کچھ کام آسکتے ہیں) میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی مبتلا ہیں، تو توحید کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ آج کل لوگ دین سے کس قدر دور ہیں۔

باب : ۱۵

فرشتوں پر اللہ تعالیٰ کی وحی کا خوف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَـٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُۥ ۚ حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا۟ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا۟ ٱلْحَقَّ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ ﴾ (سبأ ۳۴/۲۳)

"جب ان فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ (اللہ کے مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا قَضَى اللهُ الأَمْرَ فِي السَّمَاءِ، ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ، يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ، ﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا۟ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا۟ ٱلْحَقَّ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ ﴾ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ، وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ، وَصَفَهُ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ، فَحَرَّفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ، ثُمَّ يُلْقِيهَا الآخَرُ إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ، حَتَّى يُلْقِيَهَا عَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوِ الْكَاهِنِ، فَرُبَّمَا أَدْرَكَهُ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا، وَرُبَّمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ، فَيَكْذِبَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ، فَيُقَالُ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا؟ فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ»(صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالٰى حتى إذا فزع عن قلوبهم،

ح: ٤٨٠٠)

"جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کی حکم برداری میں یوں اپنے پر مارتے ہیں گویا صاف پتھر پر نرم زنجیر ٹکرانے کی جھنکار ہو۔ اور وہ فرمان ان فرشتوں تک پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو (اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ اس نے جو کہا وہ برحق ہے۔ اور وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس بات کو شیاطین چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ حدیث کے راوی سفیان نے اپنے ہاتھ کو ذرا ٹیڑھا اور انگلیوں کو ایک دوسری سے جدا جدا کر کے اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ شیاطین ایک دوسرے کے اوپر یوں سوار ہو جاتے ہیں۔ سب سے اوپر والا شیطان جب کوئی بات سن لیتا ہے تو وہ اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ آگے اپنے سے نیچے والے کو۔ یہاں تک کہ آخری (سب سے نیچے والا) شیطان وہ بات ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے۔ کبھی تو کاہن تک وہ بات پہنچنے سے قبل ہی شعلہ (شہاب ثاقب) اس شیطان کو جلا دیتا ہے اور کبھی شعلے کے آنے تک شیطان اسے بات بتا چکا ہوتا ہے اور کاہن شیطان کی طرف سے سنی ہوئی بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ اگر کوئی بات اس کی بتائی ہوئی بات کے مطابق ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا فلاں روز فلاں ساحر یا کاہن نے ایسے ہی نہیں کہا تھا؟ چنانچہ اس کی صرف اس ایک بات کے سچے ہونے سے اس کاہن یا ساحر کو سچا سمجھ لیا جاتا ہے جو اس نے آسمان سے سنی ہوتی ہے۔" [1]

---

[1] فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی خوب معرفت ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جبار، جلیل اور کائنات کا مالک ہے۔ اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لحظہ کے لیے بھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی متعدد تقسیمات ہیں۔ ایک تقسیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات جلالی ہیں اور بعض جمالی۔ جلالی صفات وہ ہیں جن کی بنا پر دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر، خوف اور رعب پیدا ہوتا ہے۔ ایسی صفات بنیادی طور پر صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں کیونکہ وہ اپنی صفات کے لحاظ سے کامل اور ←

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَرَادَ اللهُ تَعَالٰی أَنْ يُوحِيَ بِالأَمْرِ تَكَلَّمَ بِالْوَحْيِ أَخَذَتِ السَّمٰوَاتِ مِنْهُ رَجْفَةٌ، أَوْ قَالَ : رَعْدَةٌ شَدِيْدَةٌ، خَوْفًا مِّنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ، فَإِذَا سَمِعَ ذٰلِكَ أَهْلُ السَّمٰوَاتِ صَعِقُوا وَخَرُّوا لِلّٰهِ سُجَّدًا، فَيَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ جِبْرِيلُ فَيُكَلِّمُهُ اللهُ مِنْ وَّحْيِهِ بِمَا أَرَادَ، ثُمَّ يَمُرُّ جِبْرِيلُ عَلَى الْمَلاَئِكَةِ، كُلَّمَا مَرَّ بِسَمَاءٍ سَأَلَهُ مَلاَئِكَتُهَا مَاذَا قَالَ رَبُّنَا يَا جِبْرِيلُ؟ فَيَقُولُ جِبْرِيلُ: قَالَ الْحَقَّ، وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ، فَيَقُولُونَ كُلُّهُمْ مِثْلَ مَا قَالَ جِبْرِيلُ، فَيَنْتَهِي جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ إِلٰى حَيْثُ أَمَرَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ»(أخرجه ابن كثير في التفسير: ٦/ ٥٠٤ وابن خزيمة في كتاب التوحيد، ح: ٢٠٦)

"اللہ تعالیٰ جب کسی بات کی وحی کا ارادہ فرماتا ہے اور اس وحی کا تکلم فرماتا ہے تو اس کے خوف سے تمام آسمانوں پر دہشت اور کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ جب آسمان والے اس آواز کو سنتے ہیں تو بے ہوش ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے جبریل (علیہ السلام) سر اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی وحی میں سے جو چاہتا ہے ان سے کلام فرماتا ہے۔ پھر جبریل (علیہ السلام) ملائکہ کے پاس سے گزرتے ہیں۔ جب بھی کسی آسمان سے ان کا گزر ہوتا ہے تو اس آسمان کے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں: اے جبریل (علیہ السلام)! ہمارے رب

◄ مکمل ہے۔ چونکہ وہ اپنی صفات میں ہر لحاظ سے کامل ہے، اس لیے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے برعکس انسان جو کہ اس کی مخلوق ہیں، اپنی صفات کے لحاظ سے ناقص اور کم تر ہیں۔ یہ اگرچہ زندہ ہیں تاہم ان کی حیات کامل نہیں کیونکہ اس حیات کو موت کا عارضہ لاحق ہو تو انسان میت (مردہ) ہو جاتا ہے اور اگر مرض کا عارضہ لاحق ہو تو مریض ہو جاتا ہے۔ یہ ہر لحاظ سے کمزور، فقیر اور محتاج ہیں۔ ان کی صفات میں کمال نہیں اور یہ ان کے ناقص، عاجز، اللہ کے سامنے مجبور و بے کس ہونے اور اس کے پروردہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ عبادت کا حق دار بھی اسی ذات کو ٹھہرائیں جو کمال کی صفات اور جمال و جلال کے اوصاف سے متصف ہے اور وہ اللہ وحدہ ہی کی ذات ہے۔

نے کیا فرمایا ہے؟ تو جبریل (علیہ السلام) کہتے ہیں: اس نے حق فرمایا۔ وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے۔ پھر تمام فرشتے یہی بات دہراتے ہیں۔ پھر جبریل (علیہ السلام) اس وحی کو جہاں اللہ عزوجل کا حکم ہوتا ہے، وہاں پہنچا دیتے ہیں۔"

مسائل

① اس تفصیل سے سورۂ سباء کی آیت نمبر ۲۳ کی تفسیر ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ کی وحی کے وقت فرشتوں کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔

② ابطال شرک کی دلیل ہے، بالخصوص ایسے شرک کی جس کا تعلق صالحین امت سے ہے۔ اور اس آیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ آیت، دلوں میں سے شجرۂ شرک کی جڑوں کو کاٹ پھینکتی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کے فرمان "قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ" کی تفسیر بھی ہوئی۔

④ فرشتوں کے سوال کی وجہ اور سبب بھی مذکور ہے۔

⑤ فرشتوں کے سوال پر جبریل علیہ السلام انہیں جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔"

⑥ جب سب فرشتے بے ہوش ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلے جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں۔

⑦ چونکہ ہر آسمان کے فرشتے جبریل علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں، اس لیے وہ سب کو جواب دیتے ہیں۔

⑧ بے ہوشی اور غشی تمام آسمانوں کے فرشتوں پر طاری ہوتی ہے۔

⑨ اللہ تعالیٰ کے کلام سے آسمان لرز جاتے ہیں۔

⑩ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام ہی اللہ تعالیٰ کی وحی کو منزل مقصود پر پہنچاتے ہیں۔

⑪ شیاطین چوری چھپے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی کوشش کرتے ہیں۔

⑫ اور اس مقصد کے لیے وہ ایک دوسرے پر سوار ہو جاتے ہیں۔

(۱۳) ان شیاطین پر ایک شہاب (شعلہ) چھوڑا جاتا ہے۔

(۱۴) بعض اوقات کاہن تک بات پہنچنے سے قبل ہی شہاب (شعلہ) اس شیطان کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے اور کبھی شہاب کے آنے سے پہلے ہی یہ شیطان اپنے انسانی دوست (کاہن' نجومی) کو بات بتا چکا ہوتا ہے۔

(۱۵) بعض اوقات کاہن کی بتائی ہوئی ایک آدھ بات صحیح ثابت ہو جاتی ہے۔

(۱۶) اور کاہن اس ایک صحیح بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔

(۱۷) لوگ کاہن کی جھوٹی باتوں کو محض اس لیے درست مان لیتے ہیں کہ اس کی ایک بات تو صحیح تھی حالانکہ وہ بات آسمان سے سنی گئی ہوتی ہے۔

(۱۸) نفوس انسانی باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ دیکھئے! وہ کاہن کی صرف اس ایک بات کو مد نظر رکھتے ہیں اور اس کی ایک سو غلط باتوں کی طرف نہیں دیکھتے۔

(۱۹) شیاطین اس ایک بات کو ایک دوسرے سے حاصل کر کے یاد کر لیتے ہیں اور اس سے باقی جھوٹوں کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ کی صفات کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ جبکہ اشاعرہ معطلہ ان صفات کے منکر ہیں۔

(۲۱) آسمانوں پر طاری ہونے والی دہشت اور کپکپی اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہوتی ہے۔

(۲۲) فرشتے اللہ تعالیٰ (کی عظمت کے تصور سے اس) کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

باب : ١٦

شفاعت کا بیان ①

① سابقہ دو ابواب کے بعد اس مسئلہ کی از حد ضرورت تھی۔ کیونکہ جو لوگ نبی ﷺ سے فریادیں کرتے یا دیگر اولیاء و انبیاء کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں جب ان کے سامنے توحید ربوبیت کے دلائل ذکر کئے جائیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی ان تمام باتوں کو مانتے اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں' البتہ یہ تمام بزرگ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مرتبہ عظیم اور بلند ہے اور جو شخص ان بزرگوں کی طرف رجوع کرے تو یہ بزرگ اس کے حق میں سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے مشرکین کی حالت اور ان کے دلائل باطلہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے فرمایا کہ جب انہیں دلائل پیش کیے جائیں تو سوائے مسئلہ شفاعت کے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں رہتی۔ اسی لیے اس مسئلہ کی وضاحت کے پیش نظر مستقل باب قائم کیا ہے۔

شفاعت' سفارش اور دعا کو کہتے ہیں' کوئی شخص جب یوں کہے کہ میں نبی ﷺ کی شفاعت کا طلب گار ہوں تو اس کی بات کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے حق میں رسول اکرم ﷺ کی سفارش اور دعا چاہتا ہے۔ گویا سفارش اور دعا کی درخواست کو شفاعت کہتے ہیں۔

سابقہ دلائل اور ان کے علاوہ قرآن و سنت کے دیگر دلائل جن سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی غیر کو پکارنے کا ابطال ہوتا ہے' ان تمام دلائل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ فوت ہو چکے اور اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان سے شفاعت کی درخواست کرنا بھی باطل ہے۔ پس فوت شدہ سے شفاعت چاہنا بہت بڑا شرک ہے' البتہ زندہ آدمیوں سے شفاعت یعنی دعا کرانا جائز ہے کیونکہ وہ اس دنیا میں زندہ موجود ہیں اور ہماری درخواست کو پورا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زندہ لوگوں سے دعا کرانے کی اجازت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں تشریف لا کر دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ ہر شفاعت کا قبول ہونا ضروری نہیں۔ کوئی شفاعت مقبول اور کوئی مردود (نامقبول) بھی ہوتی ہے۔ مقبول ہونے کی چند شرائط ہیں اور مردود ہونے کی بھی کچھ وجوہات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأَنذِرْ بِهِ ٱلَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوٓا۟ إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِۦ وَلِىٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٥١)

"اور (اے محمد ﷺ!) آپ اس قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو نصیحت کریں جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں پیش کئے جائیں کہ ان کا اللہ کے سوا کوئی مدد گار یا سفارشی نہ ہو تا کہ یہ لوگ اللہ سے ڈر جائیں۔"[1]

نیز فرمایا:

﴿ قُل لِّلَّهِ ٱلشَّفَـٰعَةُ جَمِيعًا ۖ ﴾ (الزمر٣٩/ ٤٤)

"(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجیے کہ ہر قسم کی شفاعت اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"[2]

﴿ مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ ﴾ (البقرہ٢/ ٢٥٥)

"کون ہے جو اللہ کے حضور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔"

الغرض قرآن و سنت سے شفاعت کی دو قسمیں ثابت ہیں۔ شفاعت منفیہ (غیر مقبولہ) اور شفاعت مثبتہ (مقبولہ)۔

منفی شفاعت (غیر مقبول) وہ ہے جس کی اللہ عزوجل نے مشرکین کے حق میں نفی کی ہے، جیسا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس کی سب سے پہلی دلیل، سورۂ انعام کی آیت (۵۱) پیش کی ہے۔

[1] یہ وہ شفاعت ہے جس کی اہل توحید کے سوا تمام کے حق میں نفی کی گئی ہے۔

اہل توحید کے حق میں شفاعت قبول ہونے کی چند شرائط ہیں:

(الف) شفاعت کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت۔

(ب) شفاعت کرنے والے اور جس کے حق میں سفارش کی جائے، دونوں کے لیے اللہ کی رضا اور خوشنودی۔ گویا اصل سفارشی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس کے بعد دوسری آیت "قُلْ لِلّٰہِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا" بیان کی ہے۔

[2] یعنی ہر قسم کی شفاعت (سفارش) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ درحقیقت اہل ایمان اور غیر اہل ایمان، سب کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مدد گار یا سفارشی نہیں، بلکہ شفاعت اللہ عزوجل کی اجازت اور رضامندی ہی سے ہوگی۔ اور چونکہ کوئی شفاعت مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ ہی مفید ہو سکتی ہے اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس کے بعد دو مزید آیات بیان کی ہیں:

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾ ﴾ (النجم۵۳/۲۶)

''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی مگر بعد اسکے کہ اللہ جس کے حق میں شفاعت کی اجازت دے اور پسند کرے۔''[1]

---

[1] پہلی آیت ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلاَّ بِاِذْنِہٖ'' میں اجازت کی قید اور شرط ہے یعنی ملائکہ، انبیاء اور اللہ کا قرب پانے والوں میں سے کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی شفاعت کا مالک ہے اور وہی اس کی توفیق بخشنے والا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت ''اِلاَّ مِنْ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰہُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَرْضٰی'' میں بھی یہی ارشاد ہے کہ وہ شفاعت کرنے والوں میں سے جسے چاہے گا اجازت بخشے گا اور شفاعت کرنے والے کے قول سے اور جس کی شفاعت کی جائے گی اس سے راضی ہونے کے بعد شفاعت کی اجازت ہوگی۔

شفاعت کی مذکورہ بالا شروط سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ مخلوق کے ساتھ حصول شفاعت کی غرض سے تعلق قائم کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ کے ہاں اسے اس قدر مقام و مرتبہ حاصل ہے کہ یہ از خود شفاعت کا اختیار رکھتا ہے، قطعاً درست نہیں۔ یہی اعتقاد مشرکین کا اپنے معبودان باطلہ کے بارے میں ہوتا ہے کہ وہ لازماً ان کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کو رد بھی نہیں کرے گا۔

زیر نظر آیات میں مشرکین کے اسی دعویٰ کا ابطال اور نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور جس کی شفاعت مقصود ہے اس کے متعلق اللہ کی رضامندی کے بغیر بھی کوئی شفاعت کر سکتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا شفاعت کا مالک نہیں اور جو کوئی بھی کسی کی شفاعت کرے گا تو اللہ کے اذن اور اجازت ہی سے کر سکے گا تو پھر مخلوق کے ساتھ اس کی شفاعت کے حصول کے لیے لگاؤ رکھنا کیسے درست ہوا؟ تعلق و لگاؤ تو محض اسی کے ساتھ ہونا چاہیے جو شفاعت کا حقیقی مالک ہے۔

قیامت کے دن نبی کریم ﷺ یقیناً شفاعت کریں گے لیکن ہم اس شفاعت کے حصول کی درخواست کس سے کریں؟ صرف اللہ وحدہ سے اور یوں دعا کریں کہ یا اللہ! ہمیں اپنے نبی ﷺ کی شفاعت نصیب فرما کیونکہ اللہ رب العزت ہی نبی کریم ﷺ کو توفیق بخشے گا اور آپ کے دل میں الہام کرے گا کہ فلاں فلاں کے حق میں شفاعت کریں اور یہ شفاعت انھی لوگوں کے حق میں ہوگی جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے، نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے حصول کی دعا کی ہوگی۔

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ (سبأ ۳۴/ ۲۲-۲۳)

"(اے محمد ﷺ!) ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا تم جن کو معبود سمجھتے ہو' انہیں پکار کر دیکھو' وہ تو آسمان و زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں۔ زمین و آسمان کی ملکیت یا تخلیق میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ اور اللہ کے حضور کسی کے لیے کوئی سفارش مفید نہیں ہو گی مگر اس کے لیے جس کے حق میں سفارش کی وہ اجازت بخش دے۔"[1]

اسی لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس کے بعد سورۂ سبا کی یہ آیت بیان کی ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ ﴾ (سبأ ۳۴/ ۲۲-۲۳)

[1] اس آیت میں تین احوال ذکر ہوئے ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن بزرگوں کو صاحب اختیار سمجھتے ہیں ان کو پکار کر تو دیکھیں' کیا وہ زمین و آسمان میں کسی بھی چیز کے بذات خود مالک ہیں؟ یعنی وہ تو بے بس' بے اختیار اور بے کس ہیں اور کسی بھی چیز کے مالک و مختار نہیں۔

(ب) اللہ نے واضح فرمایا کہ یہ بزرگ اس کائنات میں' تدبیر امور میں' زمین و آسمان کی ملکیت میں یا کسی بھی امر میں اللہ کے شریک یا ساجھی نہیں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اللہ کا وزیر' مشیر یا مددگار نہیں۔

(ج) ان لوگوں کا عقیدہ تھا اور وہ اس زعم کا شکار تھے کہ ان کے معبودان باطلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدہ کا بھی ابطال کیا اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ (سبأ ۳۴/ ۲۳)

"اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش اسی کے حق میں مفید ہو گی جس کے حق میں سفارش کرنے کی وہ خود اجازت دے گا۔"

جب یہ بات حتمی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ' کسے سفارش کرنے کی اجازت دے گا؟ اور کس کے لیے پسند کرے گا کہ وہ سفارش کرے؟ اور کس کے حق میں راضی ہو گا کہ اس کی سفارش کی جائے؟ ان تینوں سوالوں کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ تمام مخلوق سے ان باتوں کی نفی کر دی جن سے مشرکین استدلال کیا کرتے تھے۔ مثلاً اس نے اس بات کی نفی کی ہے کہ کسی کو زمین و آسمان میں کسی قسم کی قدرت، کلی یا جزوی اختیارات ہوں، یا کوئی اللہ تعالیٰ کا معاون اور مددگار ہو، البتہ سفارش ہو سکتی ہے۔ مگر وہ بھی صرف اسی کے لیے مفید ہو گی جس کے حق میں سفارش کی اجازت خود اللہ تعالیٰ دے گا جیسا کہ اس نے فرمایا:

﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ ﴾ (الأنبياء٢١/٢٨)

"اور وہ کسی کے حق میں سفارش نہیں کر سکیں گے بجز اس کے جس سے اللہ راضی ہو۔"

پس وہ سفارش جس کے مشرکین قائل ہیں قیامت کے دن معدوم ہو گی جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی نفی اور انکار کیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ: آپ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر فوراً سفارش کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے اور اس کی حمد و ثنا کریں گے۔ اس کے بعد آپ سے کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھائیں اور بات کریں، آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سوال کریں، آپ جو مانگیں گے آپ کو دیا جائے گا: آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! سب سے زیادہ خوش نصیب کون ہے جو آپ کی سفارش کا حق دار ہو گا؟ آپ نے فرمایا: "جس نے خلوص دل سے کلمۂ توحید "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا اقرار کیا"۔ یعنی یہ سفارش اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صرف خلوص دل سے کلمہ پڑھنے والوں کو حاصل ہو گی اور مشرکین کے حق میں سفارش کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف مخلصین اہل توحید پر اپنا خصوصی فضل فرمائے گا اور جن کو سفارش کی اجازت دے گا ان کی دعا (سفارش) کے نتیجہ میں اہل توحید کی

مغفرت فرمائے گا اور اس طرح سفارش کرنے والے (رسول اللہ ﷺ) کا اکرام فرمائے گا اور آپ "مقام محمود" سے سرفراز ہوں گے۔ پس جس شفاعت کا قرآن نے انکار کیا ہے اس سے وہ شفاعت مراد ہے جس میں اللہ کے ساتھ شرک ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنی اجازت سے شفاعت کا اثبات کیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے صاف صاف فرمایا ہے کہ شفاعت صرف اہل توحید اور اہل اخلاص کے لیے ہوگی۔ [1]

---

[1] مشرکین کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضامندی کے بغیر شفاعت کا حصول ممکن ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ شفاعت کرنے والا بذات خود شفاعت کا مالک ہوتا ہے۔ قرآن نے اس بات کی نفی کی کہ جس شفاعت کے امیدوار اور طلب گار مشرکین ہیں وہ قیامت کے روز ہرگز حاصل نہیں ہو سکے گی جبکہ مذکورہ بالا شروط کے ساتھ شفاعت کا حصول ممکن ہوگا جیسا کہ کتاب و سنت میں اس کا اثبات ہے۔

نبی کریم ﷺ شفاعت کے لیے اللہ کے حضور حاضر ہوں گے تو فوراً شفاعت کرنے کے بجائے سجدہ ریز ہوں گے اور اللہ کی تحمید و تقدیس کریں گے، پھر اللہ عزوجل فرمائے گا: سر اٹھائیں اور بات کریں، آپ کی بات سنی جائے گی، سوال کریں، جواب عنایت کیا جائے گا، شفاعت کریں قبول ہوگی۔

یہ اللہ کی طرف سے اجازت کے کلمات ہوں گے۔ اجازت نبی کریم ﷺ کو بھی ملے گی اور دوسروں کو بھی۔ لیکن کوئی بھی ابتداء میں شفاعت نہیں کرے گا بلکہ پہلے اللہ سے شفاعت کی اجازت مانگیں گے تو اجازت ملے گی کیونکہ انہیں اللہ کی طرف سے شفاعت کا اختیار تو حاصل ہے لیکن شفاعت کا حقیقی مالک صرف اللہ رب العزت ہی ہے، چنانچہ اللہ کی رضامندی اور شفاعت کی اجازت ملنے کے بعد نبی کریم ﷺ جن کے حق میں شفاعت کریں گے وہ اہل توحید اور اہل اخلاص ہی ہوں گے۔ مشرکین کو یہ شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ فوت شدگان، انبیاء و رسل اور صالحین کی طرف رجوع کرنے والا اور ان سے شفاعت کا خواستگار مشرک ہے کیونکہ وہ غیر اللہ سے دعا کرتا اور اسے پکارتا ہے جبکہ وہ بذات خود شفاعت کے مالک ہی نہیں۔ اللہ کی طرف سے اجازت اور رضامندی کے بعد انہیں شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔

لہٰذا جس شخص نے کسی فوت شدہ سے شفاعت کی درخواست کی اس نے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو شفاعت مصطفیٰ ﷺ سے محروم کر لیا۔

بالآخر اللہ عزوجل شفاعت کے واسطے سے اہل توحید کی مغفرت فرمائے گا اور یہ شافع (شفاعت کرنے والے) کی تعظیم و اکرام اور اس پر اللہ کی خصوصی رحمت کے اظہار کے لیے ہوگا۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل ہی ہوگا کہ خود شفاعت کی اجازت دے کر اسے قبول فرمائے گا۔ شافع (شفاعت کرنے والے) پر یہ فضل اس صورت میں ہوگا کہ اسے شفاعت کا حق دے کر اکرام و اعزاز سے نوازے گا اور مشفوع لہ ⬅

(جس کے حق میں شفاعت کی جائے گی) پر یہ فضل اس طرح سے ہو گا کہ اس پر رحم فرما کر اس کے حق میں شفاعت قبول فرمائے گا۔ اہل عقل و دانش کے لیے یہ دلائل' اللہ کی عظمت کا واضح ثبوت ہیں کہ وہ اپنی شہنشاہی میں یکتا ہے۔ شفاعت کا مکمل اختیار اسی کے پاس ہے اور سارے کے سارے نظام کا شاہ حقیقی بھی وہی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ شفاعت کی امید میں بھی دل اسی کی طرف مائل ہوں۔

قرآن مجید نے اس شفاعت کی نفی کی ہے جس میں شرک ہو' جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِۦ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ﴾ (الأنعام٦/ ٥١)

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار ہو گا نہ سفارشی۔"

اس آیت میں اس شفاعت کی نفی ہے جس میں شرک کی آمیزش ہو یعنی جس قسم کی شفاعت کا اعتقاد مشرکین رکھتے ہیں وہ قیامت کے روز بالکل معدوم ہو گی۔ اس طرح مشرکین کے حق میں شفاعت کی نفی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہی نہ ہو گا۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ شفاعت کا حق دار وہی ٹھہرے گا جس پر اللہ عزوجل نے انعام کیا اور اسے توفیق بخشی کہ اس نے اللہ کی عظمت کو جانا پہچانا اور اپنا دلی لگاؤ اسی کے ساتھ رکھا' اس کے علاوہ کسی کی طرف اس کا قلبی میلان نہ ہوا تو پھر شرک اکبر کے مرتکب ہر شخص کے حق میں شفاعت کی نفی ہو گئی کیونکہ شفاعت' اہل اخلاص پر اللہ کا خصوصی فضل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اذن اور اجازت کی شرط کے ساتھ شفاعت کا اثبات کیا ہے۔

اذن کی دو قسمیں ہیں: (۱) اذن کونی (۲) اذن شرعی۔

اذن کونی کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جسے شفاعت کی اجازت ہو وہ شفاعت کر سکے جب تک کہ اللہ کی طرف سے اسے اجازت نہ مل جائے۔ جب تک اللہ اسے شفاعت کرنے سے روک رکھے گا اس وقت تک وہ شفاعت کر سکے گا نہ اس کی زبان شفاعت کے لیے حرکت میں آ سکے گی۔

اور اذن شرعی کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت میں شرک نہ ہو اور جس کے حق میں شفاعت ہو گی وہ مشرک بھی نہ ہو۔

البتہ اس حکم عام سے نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے بارے میں نبی علیہ السلام شفاعت کریں گے اور یہ شفاعت جہنم سے رہائی کی نہیں بلکہ تخفیف عذاب کے لیے ہو گی اور یہ صرف نبی علیہ السلام کا خاصہ ہے۔ اللہ رب العزت ہی نے آپ کی طرف یہ وحی کی اور وہی آپ کو اجازت بخشے گا کہ آپ ان کے حق میں شفاعت کر سکیں۔

اس ساری تفصیل سے واضح ہوا کہ مبتدعین اور غیر اللہ سے تعلق رکھنے والوں کے دلوں میں جس شفاعت کا گمان اور خیال ہے وہ باطل ہے اور ان کا یہ قول "وَهٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ" (یہ ہستیاں' اللہ کے ہاں ہمارے حق میں شفاعت کریں گی) بھی باطل ہے کیونکہ شفاعت تو صرف اہل اخلاص کے حق میں نفع بخش ہو گی اور یہ لوگ تو ہمیشہ غیر اللہ سے شفاعت مانگتے اور غیر اللہ ہی سے سوال کرتے رہے' یہی ان کی شفاعت سے محروم ہو جانے کی علامت اور نشانی ہے۔

مسائل

① اس باب میں چند آیات قرآنیہ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔
② غیر مقبول شفاعت کی بھی وضاحت ہوئی۔
③ اور مقبول شفاعت کا بیان بھی ہوا۔
④ شفاعت کبریٰ کا ذکر بھی ہے جس کی اجازت نبی ﷺ کو ملے گی۔ اسی کو مقام محمود بھی کہتے ہیں۔
⑤ نبی ﷺ کس طرح شفاعت کریں گے؟ نبی ﷺ جاتے ہی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے۔ پھر اجازت ملنے پر شفاعت کریں گے۔
⑥ کون سا آدمی شفاعت کا سب سے زیادہ حقدار ہو گا؟ وہ جو خلوص دل سے کلمۂ توحید "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا اقرار کرے۔
⑦ مشرکین [1] کو یہ شفاعت حاصل نہ ہو سکے گی۔
⑧ شفاعت کی حقیقت بھی واضح ہوئی کہ دراصل یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک انداز ہے۔ جن کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی یہ ان کے لیے اعزاز اور عزت افزائی کا باعث ہو گی۔ اور جن کے حق میں کی جائے گی یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور مہربانی ثابت ہو گی۔

---

[1] اس سارے باب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اہل خرافات اور مشرکین کا غیر اللہ سے شفاعت کی امید رکھنا ان کے حق میں بہتر نہیں بلکہ نقصان دہ ہو گا کیونکہ وہ غیر اللہ سے شفاعت کی امید رکھ کر حقیقی شفاعت سے محروم ہو گئے اور ان کی یہ امید بھی ایسی تھی کہ اللہ نے شرعاً اس کی اجازت ہی نہیں دی کہ وہ شرکیہ شفاعت کے خواہشمند ہوں اور غیر اللہ کی طرف رجوع کریں اور ان کے دل غیر اللہ کی طرف مائل ہوں۔

باب : ١٧

ہدایت دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ ﴾ (القصص٢٨/ ٥٦)

"(اے محمد ﷺ!) یقیناً آپ' جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے' لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔" [1]

---

[1] ہدایت کی دو قسمیں ہیں: (ا) ہدایت توفیق (٢) ہدایت دلالت

ہدایت توفیق: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اپنے کسی بندے کے دل میں ہدایت قبول کرنے کا جذبہ پیدا کر دے۔ انسانوں کے قلوب اللہ کے تصرف میں ہیں۔ وہ انہیں جدھر چاہے پھیرتا رہتا ہے۔ دلوں میں ہدایت قبول کرنے کا جذبہ بھی اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ یہ معاملہ اس کے علاوہ کسی کے اختیار میں نہیں حتیٰ کہ کوئی نبی بھی اپنی مرضی سے جسے چاہے مسلمان یا ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتا۔ نبی ﷺ کے رشتہ داروں میں سب سے زیادہ آپ کا ساتھ دینے والے ابوطالب تھے لیکن اس کے باوجود آپ انھیں ہدایت کی توفیق نہ دے سکے۔

ہدایت دلالت: اس سے صراط مستقیم کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرنا مراد ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ اور دیگر تمام انبیاء و رسل اور ہر داعیء حق لوگوں کی رہنمائی کرتا رہا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾ ﴾ (الدھر١٣/ ٧)

"آپ تو محض (ان لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے) ڈرانے والے ہیں۔ اور ہر قوم کا کوئی نہ کوئی ہادی ضرور ہوتا ہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا:

صحیح بخاری میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے والد مسیب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ وہاں عبداللہ بن ابی امیہ اور ابوجہل بھی بیٹھے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَمِّ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَاللهِ»

"چچا جان! کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کر لو' تاکہ میں اسی کلمہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے حق میں بطور دلیل پیش کر سکوں۔"

وہ دونوں (عبداللہ بن ابی امیہ اور ابوجہل) بولے: کیا تم عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دو گے؟ نبی ﷺ بھی اور وہ دونوں سردار اپنی اپنی بات کو دہراتے رہے۔ بالآخر ابو طالب نے کہا میں عبدالمطلب کے مذہب پر قائم ہوں۔ اور اس نے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ، مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ»

"جب تک مجھے منع نہ کیا گیا میں ضرور تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَن يَسْتَغْفِرُواْ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓاْ أُوْلِي قُرْبَىٰ ﴾ (التوبة۹/ ۱۱۳)

"نبی اور اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ ان

﴿ وَإِنَّكَ لَتَهْدِيٓ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ (الشوریٰ۴۲/ ۵۲)

"اور یقیناً آپ' لوگوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔"

یعنی آپ مختلف دلائل' اور مختلف انداز سے لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو معجزات اور ایسے پختہ دلائل سے مؤید ہے جو آپ کے صدق پر شاہد عادل ہیں۔

جب محمد رسول اللہ ﷺ جیسی جلیل القدر اور عظیم الشان ہستی سے ہدایت توفیق کی نفی ہو گئی تو پھر تمام اہم معاملات' ہدایت' مغفرت' رضا' برائیوں سے دوری اور بھلائیوں کے حصول کے لیے بھی اللہ عزوجل کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ دلی تعلق رکھنا باطل ہے۔

کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾ (القصص ۲۸/ ۵۶)

"(اے محمد ﷺ!) بلاشبہ آپ' جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (صحیح بخاری' التفسیر' باب تفسیر قولہ تعالٰی (انک لا تهدی من احببت)' حدیث ۴۷۷۲ و صحیح مسلم' الایمان' باب الدلیل علی صحۃ إسلام من حضرہ الموت..... الخ' حدیث ۲۴)" ①

---

① "لَأَسْتَغْفِرَنَّ" میں لام قسم کا ہے یعنی اللہ کی قسم! میں ضرور مغفرت کی دعا کروں گا اور نبی ﷺ نے حقیقتاً اپنے چچا کے حق میں مغفرت کی دعا کی بھی' لیکن کیا نبی ﷺ کی دعا نے آپ کے چچا کو کوئی فائدہ پہنچایا؟ نہیں! کیونکہ وہ مشرک تھا۔ مشرک کے حق میں استغفار اور شفاعت قطعاً مفید نہیں۔

نبی ﷺ کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی مشرک کے گناہوں کی معافی میں اسے کچھ نفع دے سکیں۔ یا کوئی شخص اگر شرک کا ارتکاب کرتے ہوئے آپ کی طرف رجوع کرے تو آپ اس کی پریشانی کو دور کرکے یا بھلائی پہنچا کر اس کے کچھ کام آسکیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

"لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ۔" "اللہ کی قسم! جب تک مجھے روکا نہ گیا۔ ...."

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ ﴾ (التوبۃ ۹/ ۱۱۳)

"نبی اور اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ واضح ہو چکا ہو کہ وہ جہنمی ہیں۔"

اس آیت سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اب اس صورت میں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ نبی ﷺ عالم برزخ میں دعائے مغفرت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں تب بھی آپ کسی ایسے مشرک کے حق میں دعائے مغفرت نہیں کر سکتے جو اللہ کے علاوہ آپ سے شفاعت کا طلب گار ہو' آپ سے فریاد و استغاثہ کرے' آپ کے لیے جانور ذبح کرے' نذر و نیاز مانے' آپ کو عبادت کا اہل جانے' آپ پر توکل کرے یا آپ کے سامنے اپنی حاجات و ضروریات پیش کرنے کے شرک میں مبتلا ہو۔

مسائل

① اس باب میں آیت کریمہ "اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" کی تفسیر ہے۔

② آیت کریمہ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوا اُولِی قُرْبٰی" کی تفسیر اور شان نزول بھی بیان ہوا ہے۔

③ کلمۂ توحید "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا زبان سے اقرار ضروری ہے۔ اس میں علم کے ان دعوے داروں کی تردید ہے جو محض دلی معرفت کو کافی سمجھتے ہیں۔

④ جب نبی ﷺ نے اپنے چچا سے "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" پڑھنے کو کہا تو ابوجہل اور اس کے ساتھی جانتے تھے کہ نبی ﷺ کی اس سے کیا مراد ہے؟ اسی لیے وہ ابوطالب کو عبدالمطلب کے مذہب پر قائم رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا برا کرے جن کی نسبت ابوجہل اصل دین "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کے مفہوم کو بہتر جانتا تھا۔

⑤ نبی ﷺ نے اپنے چچا کو مسلمان کرنے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔

⑥ جو لوگ ابوطالب اور اس کے اسلاف کو مسلمان سمجھتے ہیں، اس میں ان کی بھی تردید ہے۔

⑦ نبی ﷺ نے ابوطالب کے حق میں مغفرت کی دعا کی مگر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کی مغفرت نہیں کی بلکہ نبی ﷺ کو مشرکین کے لیے دعا کرنے سے بھی روک دیا۔

⑧ برے لوگوں کی صحبت ہمیشہ نقصان دہ ہوتی ہے۔

⑨ اکابر و اسلاف کی تعظیم میں غلو کرنا نقصان دہ ہے۔

⑩ باطل پرست لوگ اپنے اکابر والا دین اور طور اطوار اختیار کرنے میں اس شبہ کا شکار ہیں کہ ابوجہل نے بھی ابوطالب کو یہی تلقین کی تھی۔

⑪ نجات کا دارومدار زندگی کے آخری اعمال پر ہے کیونکہ اگر ابوطالب بوقت وفات کلمہ کا اقرار کر لیتا تو اسے ضرور فائدہ ہوتا۔

⑫ گمراہ لوگوں کے دلوں میں راسخ اس بڑے مغالطے کے بارے میں غور و فکر کرنا

چاہیے' اس لیے کہ ابو طالب کے قصہ میں مذکور ہے کہ سرداران مکہ اسی مغالطہ کی بنا پر ابو طالب سے جھگڑتے رہے جبکہ نبی ﷺ نے مبالغہ اور تکرار کے ساتھ ابو طالب کے سامنے کلمۂ حق' کلمۂ توحید پیش کیا۔ چونکہ ان لوگوں کے ہاں یہ بہت بڑی بات تھی کہ آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑا نہیں جاسکتا اسی لیے وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

باب : ۱۸

بنی آدم کے کفر اور ترکِ دین کا بنیادی سبب صالحین کی عزت و تکریم میں غلو کرنا ہے ①

① شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس باب میں اور اس سے بعد کے ابواب میں ثابت کیا ہے کہ اس امت اور سابقہ امتوں میں شرک کا سب سے بڑا سبب صالحین کی عزت و تکریم میں غلو اور حد سے تجاوز کر جانا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔ اصول اور عقائد ذکر کرنے کے بعد اب گمراہی کے اسباب کو بیان کرنا مقصود ہے۔ "غلو" دراصل عربی مقولہ "غلافی الشیء" سے ماخوذ ہے جس کا معنی کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینے کا ہے یعنی بنی آدم کے کفر اور اللہ کے مقرر کردہ دین کو ترک کرنے کا سبب، صالحین کی عزت و تکریم میں اس حد سے تجاوز کر جانا ہے جس کی اللہ عزوجل نے اجازت دی ہے۔ صالحین میں انبیاء و رسل اور اولیاء کے علاوہ وہ تمام لوگ شامل ہیں جو نیکی اور اخلاص کی صفات سے متصف ہوں۔ وہ نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہوں یا متوسط درجہ کے، اللہ کے ہاں ان کے درجات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خاطر صالحین سے محبت رکھنے، ان کی تکریم کرنے اور نیکی اور دین و علم کی باتوں میں ان کی اقتداء کرنے کی اجازت ہے۔ جبکہ ہر دور میں انبیاء و رسل کی شریعتوں اور ان کے احکام پر عمل کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم بھی ہے۔ صالحین کے احترام، ان سے محبت و دوستی، ان کی طرف سے دفاع اور ان کی مدد کرنے کی یہ وہ حد ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ ان کی تعظیم میں غلو کی ایک صورت یہ ہے کہ ان میں بعض الٰہی خصوصیات کا عقیدہ رکھا جائے یا یہ اعتقاد ہو کہ وہ لوح و قلم کے اسرار سے واقف ہیں۔ جیسا کہ بوصیری نے اپنے ایک مشہور قصیدہ میں کہا ہے،

لَوْ نَاسَبَتْ قَدْرَهُ آيَاتُهُ عِظَمًا
أَحْيَا اسْمُهُ حِيْنَ يُدْعٰى دَارِسَ الرِّمَمِ

بعض شارحین نے اس شعر کی شرح میں لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو جو معجزات دیے گئے ہیں، ⬅

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ ﴾ (النساء ٤/ ١٧١)

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہ کہو۔"(1)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ:

﴿ وَقَالُواْ لَا تَذَرُنَّ ءَالِهَتَكُمۡ وَلَا تَذَرُنَّ وَدّٗا وَلَا سُوَاعٗا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسۡرٗا ﴿٢٣﴾ ﴾ (نوح ٧١/ ٢٣)

"اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور

وہ اور حتیٰ کہ قرآن کریم بھی آپ کے شایان شان نہیں۔ نبی ﷺ کی شان تو اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ آپ کا تو یہ مقام ہے کہ آپ کا نام لینے سے مردوں کی بوسیدہ، مٹی اور خاک میں ملی ہوئی ہڈیاں یکجا جمع ہو کر زندہ ہو جاتی ہیں۔ (نَعُوذُ بِاللّٰہ) ایسا غلو وہ لوگ کیا کرتے ہیں جو غیر اللہ کے پجاری ہیں۔ اور وہ اللہ کے سوا انبیاء و رسل وغیرہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان میں الٰہی صفات کا عقیدہ رکھتے ہیں جس کی انہیں قطعاً اجازت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت بڑا شرک ہے اور مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینے کے مترادف ہے۔ اللہ کی پناہ، ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ صالحین کی تعظیم کی ایک حد ہے جس کی شرعاً اجازت ہے، دوسری طرف غلو ہے۔

اور ایک تیسری صورت، جفا کہلاتی ہے یعنی صالحین سے محبت نہ رکھنا، ان کا احترام نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جو حقوق متعین کیے ہیں ان کی پاسداری نہ کرنا چنانچہ صالحین کی شان میں کمی کرنا "جفا" اور ان کی محبت میں حد سے تجاوز کرنا "غلو" ہے۔

(1) اللہ تعالیٰ نے بالخصوص اہل کتاب کو غلو سے منع کیا ہے۔ اور کلام کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دین کے معاملے میں کسی بھی قسم کا غلو منع ہے۔ اہل کتاب کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، ان کی والدہ اور ان کے حواریوں کے حق میں اور یہودیوں نے عزیر علیہ السلام، اصحاب موسیٰ، اپنے علماء کرام اور درویشوں کے حق میں غلو کیا، ان کے بارے میں بعض الٰہی خصوصیات کا عقیدہ رکھا، ان سے شفاعت کی امیدیں وابستہ رکھیں اور سمجھنے لگے کہ ان بزرگوں کا بھی اس کائنات میں کچھ حصہ اور اشتراک ہے۔ یہ بھی نظام کائنات کو چلاتے اور اس میں تصرفات کرتے ہیں۔

نسر کو چھوڑنا۔''

کی تفسیر میں روایت ہے کہ یہ سب (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) قوم نوح کے صالح لوگ تھے۔ ان کی وفات کے بعد شیطان نے ان کی قوم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ یہ نیک لوگ جہاں بیٹھا کرتے تھے وہاں بطور یادگار پتھر نصب کر دو۔ اور ان پتھروں کو ان کے ناموں سے موسوم کرو۔ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ لیکن اس دور میں ان پتھروں کی پوجا نہ کی گئی۔ جب یہ لوگ مرگئے اور بعد والوں پر جہالت چھا گئی، علم جاتا رہا اور اصل بات ذہنوں سے محو ہو گئی تو بعد والوں نے ان یادگاروں کی پرستش شروع کر دی۔ (صحیح بخاری، التفسیر، تفسیر سورہ نوح، حدیث:۴۹۲۰)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متعدد اسلاف اہل علم کا قول ہے کہ جب وہ مرگئے تو اولاً یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے، پھر ان کے مجسمے بنائے، پھر عرصہ دراز گزرنے کے بعد ان کی پوجا شروع کر دی۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُطْرُوْنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ،

---

[1] **قوم نوح کا شرک:** قوم نوح جس شرک میں مبتلا تھی وہ صالحین اور ان کی ارواح کے متعلق غلو کی صورت میں تھا۔ شیطان بزرگ انسان کی صورت میں ان کے پاس آیا اور اپنی بزرگی اور تقرب الی اللہ کا تاثر دیتے ہوئے ان سے کہا کہ جو لوگ میرے ساتھ شامل ہوں گے میں ان کے حق میں شفاعت کروں گا۔ بعد ازاں انہیں آہستہ آہستہ تصویروں، مورتیوں، ڈھیریوں کے احترام اور بت پرستی تک پہنچادیا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

ان لوگوں نے جب ان بزرگوں کی تصاویر بنانے کا قصد کیا تو انہیں یقین تھا کہ وہ ان تصاویر کی پرستش نہیں کریں گے۔ لیکن مستقبل میں علم مٹ جانے سے انہی تصاویر کی پرستش کو صالحین اور بزرگوں کے تقرب کا وسیلہ، سبب اور ذریعہ سمجھ لیا گیا۔

کبھی کبھی شیطان تصویر کے پاس آکر ناظرین یا مخاطبین کو یہ تاثر دیتا کہ یہ تصویر بولتی ہے اور اس کے منہ سے باتیں کرنے کی آواز سنائی دیتی ہے اور اسی طرح کے دیگر کرتب دکھاتا جن سے ان کے دل صالحین کی روحوں کی طرف مائل ہو جاتے۔ الغرض اس طرح سے شیطان نے انہیں بزرگوں کی عبادت پر ⬅

فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى ﴿واذكر في الكتب مريم﴾ ح:٣٤٤٥، وأصله عند مسلم في الصحيح، ح:١٦٩١)

"تم میری تعریف کرنے میں حد سے نہ بڑھ جانا' جیسے نصاریٰ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی تعریف میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ میں تو ایک بندہ ہوں۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔" (1)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ»(سنن النسائي، المناسك، باب التقاط الحصى، ح:٣٠٥٩ وسنن ابن ماجه، المناسك، باب قدر حصى الرمي، ح:٣٠٢٩)

"غلو سے بچ کر رہو' تم سے پہلے لوگوں کو غلو (تعریف میں مبالغہ اور حد سے تجاوز) ہی نے ہلاک کیا تھا۔" (2)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

◄ اکسایا۔ بعینہ یہی صورت حال آج کل ان لوگوں کی ہے جو قبروں پر مجاور بن کر بیٹھتے ہیں اور اللہ عزوجل کی عبادت کے ساتھ ساتھ اہل قبور کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ یہی عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا سبب بنتا ہے۔

(1) "اطراء" کا معنی کسی کی مدح میں حد سے بڑھ جانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدح میں حد سے بڑھ جانے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ جب نصاریٰ' عیسیٰ علیہ السلام کی مدح میں حد سے بڑھ گئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کفر اور اللہ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کرنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

«إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا: عَبْدُاللهِ وَرَسُولُهُ»

"میں تو ایک بندہ ہوں۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔"

(2) اس حدیث میں ہر قسم کے غلو سے منع کیا گیا ہے کیونکہ غلو (تعریف میں حد سے تجاوز) ہر برائی کا باعث اور اقتصاد (میانہ روی اور اعتدال) ہر قسم کی خیر وفلاح کا سبب ہے۔

«هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ ۔ قَالَهَا ثَلَاثًا»(صحیح مسلم، العلم، باب هلك المتنطعون، ح: ۲۶۷۰)

”غلو کرنے والے اور حد سے بڑھنے والے ہلاک ہوئے آپ نے یہ کلمات تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔“[1]

مسائل

① جو شخص اس باب کو اور اس سے بعد والے دو ابواب کو اچھی طرح سمجھ لے اس پر اسلام کی اجنبیت واضح ہو جائے گی (یہ اجنبیت ہی ہے کہ بہت سے لوگ اسلام کی روح سے ناآشنا ہیں) اور دلوں کے پھیرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب کرشمے اس کے سامنے آئیں گے۔

② روئے زمین پر رونما ہونے والا اولین شرک بزرگوں کے ساتھ حد درجہ محبت اور ان کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کے سبب ہوا۔

③ یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلی چیز جس کے ذریعہ انبیاء کے دین میں تغیر ہوا وہ کیا تھی؟ اور اس کا سبب کیا تھا؟ جبکہ اس بات کا بھی خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی

---

[1] ”مُتَنَطِّعُوْن“ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے افعال و اقوال اور کسی چیز کا علم حاصل کرنے میں اس قدر غلو اور تکلف کیا کہ جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ ”تنطع“، ”اطراء“ اور ”غلو“ کے معانی قریب قریب ہیں۔ صرف لفظ ”غلو“ میں یہ تمام معانی آجاتے ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ نے اس باب میں ثابت کیا ہے کہ جب لوگ بزرگان دین کے حق میں غلو یعنی ان کی عزت و تکریم میں حد سے تجاوز کرنے لگ جائیں تو وہ دین سے دور اور کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ قوم نوح نے صالحین کے حق میں غلو کیا اور ان کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھ گئے تو آخر کار انھی کی پوجا شروع کر دی۔ اسی طرح عیسائیوں نے اپنے رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، ان کے حواریوں اور علماء کے حق میں غلو کیا، بالآخر انھیں معبود سمجھنے لگے۔ اسی طرح اس امت میں بھی بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق الٰہی خصوصیات اور اختیارات کا عقیدہ رکھنے لگے ہیں، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ ان باتوں سے منع فرمایا ہے۔

نے انھیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔

④ بدعات و محدثات کو بہت جلد قبول کرنے کا سبب کیا ہے؟ جبکہ شریعتِ اسلامیہ اور فطرتِ سلیمہ ان باتوں کی تردید کرتی ہے۔

⑤ ان تمام باتوں کا سبب، حق و باطل کو دو وجوہ کی بنا پر خلط ملط کر دینا تھا۔ پہلی وجہ صالحین کی حد درجہ محبت تھی اور دوسری وجہ یہ کہ بعض اہل علم اور اصحاب دین نے کچھ ایسے امور سرانجام دیے جن میں ان کا ارادہ تو خیر ہی کا تھا مگر بعد والوں نے ان کا مقصد کچھ اور ہی سمجھ لیا۔

⑥ سورۂ نوح کی آیت ۲۳ کی تفسیر بھی ہوئی جس میں مختلف بتوں کے نام وارد ہوئے ہیں۔

⑦ فطری طور پر انسان کے دل میں حق بتدریج کم ہوتا رہتا ہے جبکہ باطل بڑھتا رہتا ہے۔

⑧ اسلاف اہل علم کی تائید ہوتی ہے کہ بدعات، کفر کا سبب بنتی ہیں۔

⑨ شیطان (ابلیس) بدعت کے انجام سے خوب آگاہ ہے کہ یہ کس طرح انسان کو تباہ کر دیتی ہے اگرچہ بدعت جاری کرنے والے کی نیت اچھی ہی کیوں نہ ہو۔

⑩ ایک عمومی قاعدہ ثابت ہوتا ہے کہ غلو سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہئے اور اس کے انجام کو سمجھنا چاہئے۔

⑪ کسی صالح عمل کی انجام دہی کے لیے بھی قبر پر بیٹھنا نقصان دہ ہے۔

⑫ مجسموں کی ممانعت اور ان کو مٹا ڈالنے اور توڑ ڈالنے کی حکمت بھی واضح ہوتی ہے۔

⑬ قوم نوح کے قصہ کی اہمیت کا پتہ چلا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قوم نوح میں کس طرح شرک شروع ہوا؟ اسے جاننا اور پہچاننا نہایت ضروری ہے جبکہ اکثر لوگ اس سے غفلت کا شکار ہیں۔

⑭ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ اہل بدعات، یہ واقعہ کتب تفسیر و حدیث میں پڑھتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں اور ان کے دلوں کے درمیان

آڑ بن گیا مگر اس کے باوجود ان لوگوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ قوم نوح والا عمل (بزرگوں کی تصاویر بنا کر رکھنا، ان کی تعظیم و تکریم میں غلو کرنا اور قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا) افضل ترین عبادت ہے۔

اور جو شخص انھیں ان منہیات سے باز رہنے کی نصیحت کرے اس کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ یہ کافر ہے اور اس کے مال و جان مباح ہیں۔

(۱۵) ان بتوں کو پوجنے والوں کا ارادہ صرف یہ تھا کہ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے۔

(۱۶) ان مشرکین کا یہ گمان تھا کہ جن سابق اہل علم نے ان بزرگوں کی تصاویر بنائی تھیں ان کا مقصد بھی یہی تھا جو ہمارا ہے۔

(۱۷) "لَا تُطْرُونِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ" اس حدیث میں مسلمانوں کے لیے کھلی اور عظیم نصیحت ہے۔ نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں کہ آپ نے واضح طور پر تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔

(۱۸) نبی ﷺ نے ہمیں تاکیداً یہ نصیحت فرمائی ہے کہ تکلف کرنے والے اور حد سے تجاوز کرنے والے ہمیشہ ہلاک ہوتے ہیں۔

(۱۹) علم کی اہمیت اور عدم علم کے نقصان کا بھی پتہ چلتا ہے کہ قوم نوح میں علم ختم ہونے کے بعد ہی بتوں کی پوجا پاٹ شروع ہوئی تھی۔

(۲۰) دنیا سے علماء کا رخصت ہونا فقدان علم کا ایک بڑا سبب ہے۔

باب : ۱۹

کسی صالح آدمی کی قبر کے پاس' اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ناجائز اور سنگین جرم ہے' تو خود اس مرد صالح کی عبادت کرنا کتنا بڑا جرم ہو گا؟ (1)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک کلیسا اور اس میں موجود تصویروں اور مجسّموں کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ کی سرزمین میں دیکھا تھا' تو آپ نے فرمایا:

«أُولٰئِكِ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، أَوِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ، بَنَوْا

---

(1) پیش نظر باب سے اور اس کے بعد کے ابواب سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے ازحد خیر خواہ اور اس کی ہدایت کے انتہائی حریص تھے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہر اس چیز کی تنبیہ فرمائی اور اس کا سدباب کیا جو شرک تک پہنچانے کا سبب بن سکتی ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ کسی نیک آدمی کی قبر کے پاس اس جگہ کی برکت کے نظریہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بھی شرک ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ نیک لوگوں کی قبریں اور ان کے قرب و جوار بڑے بابرکت ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا عام جگہ سے زیادہ بہتر ہے۔ لیکن جب ان قبروں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی اجازت نہیں تو اس قبر یا صاحب قبر کی عبادت کیونکر جائز ہو گی؟ قبر پرستوں کی عبادت کا مرکز کبھی تو قبر ہوتی ہے اور کبھی صاحب قبر اور کبھی قبر کا قرب و جوار بلکہ اب تو لوگ قبر کے اردگرد چار دیواری اور لوہے کے جنگلوں کی بھی عبادت کرتے اور حصول برکت کے لیے انھیں ہاتھ لگاتے ہیں۔ ان کے احترام کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان کے مجاور بننے کو اور ان کا احترام کرنے کو اپنے لیے نہ صرف مفید اور بہتر تصور کرتے ہیں بلکہ ان کی بے حرمتی یا ان سے بے توجہی کو اپنے لیے نقصان دہ خیال کرتے ہیں۔

عَلٰی قَبْرِہِ مَسْجِدًا وَّصَـوَّرُوا فِیهِ تِلْكَ الصُّـوَرَ، أُولٰئِكَ شِـرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، ح:٤٢٧، ٤٣٤، ١٣٤١ وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور، ح:٥٢٨)

”ان لوگوں کے ہاں جب کوئی بزرگ فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں تصاویر (مجسّمے) بنا دیتے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بد ترین مخلوق ہیں۔“

کیونکہ انہوں نے بیک وقت دو عظیم گناہوں کا ارتکاب کیا۔ ایک تو قبروں کو عبادت گاہ بنانے کا اور دوسرا ان میں مجسّمے اور تصویریں بنانے کا۔ (اغاثة اللهفان:۱/۲۰۱)

اور صحیحین ہی میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی علامات ظاہر ہوئیں تو آپ شدت تکلیف سے اپنے چہرہ مبارک کو چادر سے ڈھانپ لیتے اور جب دم گھٹنے لگتا تو چادر کو ہٹا دیتے۔ اسی عالم میں آپ نے فرمایا:

«لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُـودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَاءِهِمْ مَّسَاجِدَ» (صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٥٣، ١٣٩٠ وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن اتخاذ القبور مساجد، ح:٥٢٩)

”یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، انھوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا۔“

اس بات سے آپ کا مقصود اپنی امت کو ایسے طرز عمل سے ڈرانا اور روکنا تھا۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر بھی عام مسلمانوں کی طرح ظاہر...... کھلی جگہ...... پر ہوتی۔ [1]

---

[1] مسجد ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مقرر کر لیا جائے۔ صالحین کی قبروں پر بنائے گئے کلیسے اور قبر یا قبر کے قریب دیوار پر آویزاں تصاویر بھی اسی لیے تھیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اس مرد صالح اور اس کی قبر کی تعظیم بھی کی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے صالحین و بزرگان کی تعظیم کرتے ہوئے ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا وہ ⬅

◄ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بدترین مخلوق ہیں۔ واضح رہے کہ ان لوگوں نے بزرگوں کی عبادت نہیں کی تھی بلکہ انھوں نے تو ان کی قبروں کی صرف تعظیم کی اور ان کی تصاویر اور مجسّمے بنا لیے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے انھیں سب سے برے لوگ قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبروں پر مسجدیں بنانا اور وہاں مجسّمے یا تصاویر رکھنا ممنوع ہے کیونکہ یہ دونوں عمل شرک اکبر کے جنم لینے کا سبب بنتے ہیں۔ جن احادیث میں ذرائع شرک اختیار کرنے، قبروں پر مساجد بنانے اور انبیاء و صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کیا گیا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مؤخر الذکر حدیث ان میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ انتہائی تکلیف و پریشانی اور سکرات الموت کے عالم میں بھی اس جانب سے غافل نہ ہوئے بلکہ آپ نے امت کو شرک کے اسباب سے بچنے کی اس حالت میں بھی تلقین فرمائی۔ اور آپ نے انبیاء کی قبروں پر مساجد (سجدہ گاہیں) بنانے والوں (یہود و نصاریٰ) پر اللہ تعالیٰ کی لعنت فرمائی۔

آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ ان انبیاء کی طرح کہیں آپ کی قبر کو بھی سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے۔ آپ کی اس لعنت سے مقصود، درحقیقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس عملِ قبیح سے ڈرانا اور یہ بتانا تھا کہ ان لوگوں کا یہ عمل بہت بڑا گناہ تھا، لہٰذا اس سے بچ کر رہنا۔ کسی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(الف) قبر کے اوپر سجدہ کرنا۔ یہ سب سے خطرناک صورت ہے۔

(ب) قبر کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا۔ اس صورت میں چونکہ قبر اور اس کے گردوپیش کو عاجزی و خضوع کی جگہ بنا لیا جاتا ہے جبکہ مسجد بھی عجز و نیاز کی مخصوص جگہ ہوتی ہے اس لیے نبی علیہ السلام نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے کیونکہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اس کی تعظیم کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے اور یہی صورت شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے قائم کردہ اس باب سے تعلق رکھتی ہے۔

(ج) مسجد کے اندر قبر بنا دینا۔ یہود و نصاریٰ کا طریق کار یہ ہوتا تھا کہ جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر کے گرد عمارت قائم کر کے قبر کے ماحول کو مسجد (عبادت گاہ) کی حیثیت دے کر اس جگہ کو عبادت اور نماز کے لیے مقرر کر لیتے تھے۔

نبی ﷺ کو عام قبرستان میں دفن نہ کرنے کی وجہ: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کو باہر عام قبرستان میں اس خدشہ کے پیش نظر دفن نہ کیا گیا کہ کہیں آپ کی قبر پر مسجد بنا کر اس کی پوجا نہ شروع کر دی جائے۔

اور اس کی دوسری وجہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا، "إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ يُقْبَرُونَ حَيْثُ يُقْبَضُونَ"۔ "انبیاء کو جہاں موت آئے انہیں وہیں دفن کیا جاتا ہے۔" ◄

جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ دن قبل میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللهِ أَنْ يَكُونَ لِي مِنْكُمْ خَلِيْلٌ، فَإِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلاً، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أُمَّتِي خَلِيلاً لاَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلاً، أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور، ح:٥٣٢)

"میں اللہ کے سامنے اس بات سے براءت و لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو کیونکہ مجھے تو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے جس طرح اس نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تھا۔ اور اگر مجھے اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا۔ خبردار! تم سے پہلے لوگ انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیتے تھے' خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنالینا۔ میں تمھیں اس طرز عمل سے روک رہا ہوں۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل شنیع سے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر قبر کی پوجا نہ بھی کی جائے تب بھی قبر کے قریب نماز پڑھنا منع ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر خوب اچھی طرح عمل کیا اور انہوں نے روضہ مبارکہ میں سے تین میٹر یا اس سے بھی کچھ زیادہ جگہ لے کر وہاں پہلے ایک دیوار' پھر دوسری دیوار بنائی اور پھر لوہے کا ایک جنگلہ لگادیا۔ اور اس مقصد کے لیے مسجد کا بھی کچھ حصہ لے لیا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب سجدہ نہ ہو سکے اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مسجد کے اندر ہے۔ یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مسجد کے اندر نہیں بلکہ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندر ہے۔ مسجد اور قبر کے درمیان متعدد دیواریں حائل ہیں۔ نیز شرقی جانب تو مسجد ہے ہی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سجدہ گاہ نہیں بنائی گئی۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "خَشِيَ اَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا" کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تو یہ توقع نہ تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو مسجد بنائیں گے جبکہ ہر وہ جگہ جہاں نماز ادا کی جائے، مسجد ہی ہوتی ہے۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُورًا" "تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور ذریعہ طہارت (وضو اور غسل کے لیے پانی کا قائم مقام) بنا دیا گیا ہے"۔ (۱)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ، وَّالَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ»(مسند أحمد:٥٣١٦ وصحيح ابن خزيمة، ح:٧٨٩)

"سب سے بد ترین لوگ وہ ہوں گے جن کی زندگی میں ان پر قیامت قائم ہوگی۔ اور وہ لوگ بھی بد ترین ہیں جو قبروں کو مساجد (سجدہ گاہوں) کا درجہ دیں گے۔" (۲)

---

(۱) جیسے یہود و نصاریٰ نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا ویسے ہی اس امت میں یہ فتنہ واقع ہو چکا ہے اور یہ شرک کا ایک بہت بڑا سبب اور وسیلہ ہے اور وسائل و اسباب ہمیشہ مابعد مقصود تک پہنچایا کرتے ہیں۔ قواعد شرعیہ میں ایک مسلمہ قاعدہ اور علماء محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شرک اور دیگر محرمات تک پہنچانے والے ذرائع و وسائل کا سدباب کرنا واجب ہے، اسی لیے کسی قبر پر بنائی گئی مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے منافی ہے۔ لہٰذا جو مسجد کسی قبر کے اوپر بنائی گئی ہو اس مسجد میں اور قبر کے اردگرد نماز ادا کرنا جائز نہیں، خواہ اس جگہ کی برکت کے عقیدہ سے نماز پڑھی جائے یا نماز جنازہ کے علاوہ ویسے نفلی نماز پڑھی جائے۔ یہ سب ناجائز ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں تعلیقاً روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے قریب نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: "یہ قبر ہے قبر۔ یہاں نماز نہ پڑھو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کے قریب نماز ادا کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ شرک کے بڑے اسباب و ذرائع میں سے ہے۔

(۲) بد ترین ہیں وہ لوگ جو قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیتے ہیں۔ قبر کے اوپر، اس کی طرف رخ کر کے یا ⟵

مسائل

① اس باب سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر کرنے سے نبی ﷺ نے تنبیہ اور اس کی مذمت فرمائی ہے اگرچہ مسجد بنانے والے کی نیت صحیح ہی ہو۔

② تصاویر و مجسّمے بنانے کی حرمت اور اس پر شدید وعید بھی ہے۔

③ مذکورہ اعمال کے معاملہ میں نبی ﷺ کے مبالغہ آمیز بیان سے عبرت حاصل ہوتی ہے کہ پہلے تو آپ نے اس کام سے امت کو ویسے تنبیہ فرمائی' پھر آخر عمر میں وفات سے پانچ روز قبل مزید تنبیہ فرمائی۔ پھر نبی ﷺ کا جب سفر آخرت شروع ہونے والا تھا' اس عالم میں ایک مرتبہ پھر سخت ممانعت فرمائی۔

④ نبی ﷺ نے اپنی قبر پر ایسا عمل کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا' حالانکہ آپ کی قبر ابھی وجود میں بھی نہیں آئی تھی۔

⇐ اس کے گرد نماز پڑھنا اسے سجدہ گاہ کا درجہ دینے ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اسی لیے قبر کے پاس نماز پڑھنے کا قصد کرنے والا انسان ان بدترین لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جن کی نبی کریم ﷺ نے مذمت بیان فرمائی ہے۔ مذکورہ بالا احادیث کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک اور علاقوں میں مسلمانوں کے طرز عمل کو دیکھیں کہ لوگوں نے قبروں کے اوپر بلند و بالا عمارتیں اور قبے کھڑے کیے ہوئے ہیں۔ ان قبوں اور عمارتوں کی بنا پر ان قبروں کی تعظیم کی جاتی ہے اور لوگ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ان اصحاب قبور کو اولیاء ظاہر کر کے ان کے فضائل و مناقب میں بے سروپا طویل و عریض حکایات بیان کر کے ثابت کیا جاتا ہے کہ یہ اولیاء کرام لوگوں کی پکار کو سنتے' اور ان کی فریاد کو پہنچتے ہیں۔ اس سے موجودہ اور گزشتہ زمانوں میں خالص اسلام کی اجنبیت عیاں ہوتی ہے کہ لوگ اپنے دین کے ساتھ کس قدر ظلم اور زیادتی روا رکھے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی افسوسناک امر یہ ہے کہ وہ ان تمام باتوں کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ اسے عین توحید قرار دیتے ہیں۔ اور جو لوگ انہیں سمجھائیں اور عقل سے کام لینے کی دعوت دیں یہ ان پر عدم معرفت اور کم عقل ہونے کے الزام دھرتے ہیں حالانکہ وہ شخص انہیں توحید کی دعوت دیتا ہے جبکہ یہ لوگ جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامتی اور عافیت سے نوازے۔ آمین!

(۵) انبیاء و صلحاء کی قبروں پر مساجد بنا کر ان میں عبادت کرنا یہود و نصاریٰ کا طرز عمل ہے۔
(۶) اسی عمل کی وجہ سے نبی ﷺ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی۔
(۷) لعنت کرنے سے اصل مقصود یہ تھا کہ مسلمان آپ کی قبر پر ایسا کوئی کام نہ کریں۔
(۸) نبی ﷺ کی قبر کو کھلی اور عام جگہ پر نہ بنانے کی اصل وجہ اور مصلحت بھی معلوم ہوتی ہے۔
(۹) یہ بھی واضح ہوا کہ قبروں کو مساجد بنانے کا مفہوم کیا ہے؟
(۱۰) نبی ﷺ نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے والوں اور جن لوگوں پر ان کی زندگی میں قیامت قائم ہو گی' دونوں کا اکٹھے ذکر کر کے کفر و شرک کے وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی اس کے اسباب اور انجام سے آگاہ فرما دیا۔
(۱۱) نبی ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل اپنے خطبہ میں ان دو گروہوں کا رد فرمایا جو اہل بدعت میں سب سے زیادہ بُرے ہیں۔ بلکہ بعض اہل علم نے تو انہیں بہتر(۷۲) گروہوں سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک روافض اور دوسرا جہمیہ ہے۔ خصوصاً روافض ہی کی وجہ سے مسلمانوں میں شرک اور قبر پرستی کی ابتدا ہوئی اور انہی لوگوں نے سب سے پہلے قبروں پر مساجد بنانے کا سلسلہ شروع کیا۔
(۱۲) نزع کے وقت نبی ﷺ کو بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔
(۱۳) نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔
(۱۴) صاف معلوم ہوا کہ خلیل ہونے کا مرتبہ' مقامِ محبت سے بلند تر ہے۔
(۱۵) سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔
(۱۶) سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

باب : ۲۰

صالحین اور بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کا انجام ''شرکِ اکبر'' ہے [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ لاَ تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»(الموطأ لأمام مالك، الصلاة، باب جامع الصلاة، ح: ٢٦١ والمصنف لإبن أبي شيبة: ٣/ ٣٤٥)

''یا اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا جسے لوگ پوجنا شروع کر دیں۔ ان لوگوں پر اللہ کا سخت غضب اور قہر نازل ہوا جنھوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔'' [2]

---

[1] قبر بہرحال قبر ہی ہوتی ہے' وہ نیک آدمی کی ہو یا کسی دوسرے کی۔ کوہان کی صورت میں ہو یا مربع شکل میں۔ شریعت نے اس کی کوئی تمیز رکھی ہے نہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل وارد ہوئی ہے۔

صالحین کی قبروں کے بارے میں غلو کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے بارے میں جو حکم دیا گیا اور جن باتوں سے روکا گیا ہے' ان سے تجاوز کرنا۔ قبروں پر کتبے لگانا' انہیں خواہ مخواہ بلند بنانا' ان پر عمارت کھڑی کرنا' انہیں سجدہ گاہ بنانا' قبر کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھنا' قبر یا صاحب قبر کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی سمجھنا' قبر یا صاحب قبر کے لیے نذر ماننا' اس کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا' یا قبر کی خاک کو سفارشی یا متبرک سمجھنا اور ان اعمال کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ سمجھنا۔ یہ تمام باتیں غلو ہیں اور ''شرکِ اکبر'' کی اقسام ہیں۔

[2] نبی کریم ﷺ نے اپنی قبر کی پوجا و پرستش شروع ہو جانے کے اندیشہ کے باعث اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! میری قبر کو پوجا اور عبادت کا مرکز نہ بنانا۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ جس قبر کی پوجا ہو وہ بت ہی ہے اور اس پوجا کا سبب وہ چیز ہوتی ہے جس کا ذکر حدیث کے دوسرے جملہ میں ہوا ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے آیت مبارکہ:

﴿ أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾ ﴾ (النجم٥٣/١٩)

کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے:

«يَلُتُّ لَهُمُ السَّوِيقَ فَمَاتَ فَعَكَفُوا عَلٰى قَبْرِهِ»(رواه ابن جرير في التفسير: ٢٧/٥٨)

"لات" حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد لوگ اس کی قبر کے مجاور بن کر بیٹھ گئے۔"

ابوالجوزاء رحمہ اللہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ: "لات" حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔" [1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ، وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ» (سنن أبي داود، الجنائز، باب في زيارة النساء القبور، ح:٣٢٣٦ وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في كراهية أن يتخذ على القبر مسجد، ح:٣٢٠ وسنن النسائي، الجنائز، باب التغليظ في اتخاذ السرج على القبور، ح:٢٠٤٥)

◄ «اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

شرک تک پہنچانے والے ذرائع و وسائل کو اختیار کرنا ہی قبروں کے بارے میں غلو ہے۔ نبی ﷺ نے اس حدیث میں جہاں قبروں کی پوجا کے ذریعہ اور وسیلہ کا ذکر کیا ہے وہاں اس سے بچنے کے ساتھ ساتھ اس عمل شنیع کا ارتکاب کرنے والوں پر اللہ کے شدید غضب کی تنبیہ بھی فرمائی ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آخرکار ان وسائل کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بتوں کی طرح قبروں کی عبادت اور پوجا شروع ہو جاتی ہے۔

الغرض اس حدیث نے واضح کر دیا کہ جس قبر کی پوجا کی جائے وہ بت ہی ہے۔

[1] "لات" چونکہ حاجیوں کو ستو گھول کر پلاتا تھا' اس کی اسی نیکی کی وجہ سے لوگ اس کی قبر کے بارے میں غلو کا شکار ہوگئے۔ مجاور بن کر بیٹھنے کا مطلب ہے قبر کی تعظیم کرتے ہوئے برکت' ثواب' نفع کے حصول اور ضرر کے دفع ہونے کی امید سے قبر پر بیٹھ رہنا۔

یاد رہے! کسی قبر کا مجاور بن کر بیٹھنے سے وہ پرستش گاہ اور بت بن جاتی ہے۔

"رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کو جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان لوگوں کو بھی ملعون قرار دیا جو قبروں پر مساجد بناتے اور چراغاں کرتے ہیں۔"[1]

مسائل

(۱) اس بحث سے اوثان یعنی بتوں کی تشریح ہوتی ہے۔

(۲) اور عبادت کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔

(۳) نبی ﷺ نے اس چیز سے پناہ مانگی جس کے وقوع پذیر ہونے کا آپ کو اندیشہ تھا۔

(۴) جہاں نبی ﷺ نے یہ دعا مانگی کہ "یااللہ! "میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے۔" وہاں آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ "پہلے لوگوں نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا تھا۔"

(۵) نبی ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ایسا کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا شدید قہر اور غضب نازل ہوا۔

(۶) یہ بھی معلوم ہوا کہ "لات" جو عرب کا سب سے بڑا بت تھا' اس کی کس طرح عبادت شروع ہوئی؟

(۷) اس تفصیل سے واضح ہوا کہ وہ ایک صالح بزرگ (لات) کی قبر تھی۔

(۸) "لات" صاحب قبر کا نام ہے۔ اور اس میں اس کی وجہ تسمیہ بھی مذکور ہوئی ہے۔

(۹) نبی ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں۔

(۱۰) نبی ﷺ نے قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

---

[1] قبروں پر مساجد تعمیر کرنا اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے کیونکہ یہ ان کی تعظیم میں غلو اور حد سے تجاوز ہے۔ ماضی میں قبروں پر چراغ اور قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ آج کل بڑے بڑے برقی قمقمے اور بلب جلائے جاتے ہیں۔ اس سے قبر کی تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ قبروں پر ایسا کرنا ناجائز ہے اور نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایسا کرنے والے ملعون ہیں۔

باب : ۲۱

نبی ﷺ کا توحید کی مکمل حفاظت کے سلسلے میں شرک بننے والی ہر راہ کو بند کرنا

ارشاد الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾﴾
(التوبة٩/ ١٢٨)

"(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تم پر اگر کوئی تکلیف یا مشقت آئے تو وہ اسے شاق گزرتی ہے۔ وہ تمہاری فلاح وہدایت کا حریص ہے۔ اہل ایمان کے لیے نہایت مہربان اور شفیق ہے۔" [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَّلاَ تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا، وَّصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ»(سنن أبي داود، المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤٢)

"تم اپنے گھروں کو (نماز' دعا اور تلاوت قرآن ترک کرکے) قبرستان نہ بناؤ نہ میری قبر کو میلہ گاہ بنانا اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود وسلام بھیجو' تمہارے درود وسلام مجھے پہنچ جائیں گے۔" [2]

---

[1] ان کی اسی حرص اور تمنا کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے گلشن توحید کی مکمل حفاظت کی اور ہر وہ راہ جس سے ہم شرک کے مرتکب ہوسکتے تھے اسے بند کرڈالا۔

[2] لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیدًا "میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا" یعنی سال میں کسی خاص دن یا مقررہ اوقات ⬅

زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ نے ایک شخص کو نبی ﷺ کی قبر کے گرد بنی دیوار کے ایک شگاف سے اندر داخل ہو کر قبر کے پاس دعا کرتے دیکھا تو اسے روک دیا اور فرمایا کیا میں تجھے وہ حدیث نہ سناؤں جو میرے باپ (حسین رضی اللہ عنہ) نے میرے دادا (علی رضی اللہ عنہ) سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے' آپ نے فرمایا:

«لاَ تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا وَّلاَ بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَّصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ تَسْلِيمَكُمْ يَبْلُغُنِي أَيْنَ مَا كُنْتُمْ»(رواه الضياء المقدسي في المختارة، ح:٤٢٨ ومجمع الزوائد: ٤/ ٣)

''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔ اور تم (نماز' دعا اور تلاوت قرآن ترک کر کے) اپنے گھروں کو قبرستان (کی مانند) نہ بنالینا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا۔ اس لیے کہ تم جہاں بھی ہو گے' تمہارا سلام مجھے پہنچ جائے گا۔''[1]

میں میلے کی مانند وہاں حاضری نہ دینا کیونکہ ایسا کرنے سے نبی کی تعظیم' اللہ کی سی تعظیم ہو جاتی ہے۔

چونکہ قبروں کو میلہ گاہ بنانا شرک کا سبب اور ذریعہ ہے اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ''تم جہاں بھی ہو وہیں مجھ پر درود و سلام بھیج دیا کرو اس لیے کہ تمہارے درود و سلام مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔''

[1] نبی ﷺ نے توحید اور گلشن توحید کی مکمل حفاظت فرمائی اور ذریعۂ شرک بننے والی ہر راہ حتیٰ کہ اپنی قبر کی بھی حد درجہ تعظیم سے امت کو منع فرمایا۔ جب نبی ﷺ کی قبر کی تعظیم میں غلو کرنا منع ہے تو باقی لوگوں کی قبروں کی بھی ایسی تعظیم کی اجازت نہیں۔ مگر افسوس کہ امت نے نبی ﷺ کی ہدایات و فرامین کی پروا نہ کی۔ ان سب احکام' ہدایات اور فرامین کو پس پشت ڈالتے ہوئے قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ ان پر میلے اور عرس کرنے لگے۔ ان پر قبے کھڑے کر دیے۔ حتیٰ کہ ان پر چراغاں کیے جاتے ہیں' قبروں پر جانور ذبح کیے جاتے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ کعبہ کی مانند ان کا بھی طواف ہوتا ہے۔ اور قبر کے اردگرد کی جگہ کو اسی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدوں کو مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ قبر پرست لوگ نبی یا کسی صالح و بزرگ شخصیت یا کسی ولی کی قبر کے پاس آکر اس قدر عاجزی' انکسار اور خاموشی اختیار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی عاجزی نہیں کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی صریح مخالفت اور ان سے عداوت کا اظہار ہے۔ والعیاذ باللہ!

مسائل

① اس تفصیل سے سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر و توضیح ہوتی ہے۔
② نبی ﷺ نے اپنی امت کو حدود شرک سے بہت دور رہنے کی ہدایت اور تلقین فرمائی ہے۔
③ نبی ﷺ اپنی امت پر نہایت شفیق و مہربان اور اس کی رشد و ہدایت کے انتہائی حریص اور خواہش مند تھے۔
④ نبی ﷺ نے مخصوص طریقہ پر اپنی قبر کی زیارت سے منع فرمایا ہے لیکن آپ کی قبر کی زیارت' شرعی حدود و قیود میں رہ کر کی جائے تو یہ انتہائی فضیلت والا عمل ہے۔
⑤ نبی ﷺ نے بار بار زیارت قبر کے لیے جانے سے منع فرمایا ہے۔
⑥ ان احادیث میں نفلی نماز گھروں میں ادا کرنے کی ترغیب بھی ہے۔
⑦ یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ بات طے شدہ اور معروف تھی کہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔
⑧ اس باب میں مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ آدمی جہاں بھی ہو وہیں درود و سلام پڑھ سکتا ہے خواہ دور ہی کیوں نہ ہو' لہٰذا اس غرض سے انسان کو قبر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔
⑨ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ برزخ میں ہیں اور امت کے اعمال میں سے درود و سلام' آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

باب : ۲۲

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے بعض افراد کے بت پرستی میں مبتلا ہونے کی پیش گوئی ①

① توحید کی معرفت اور اس کے علم کا وجوب' شرک سے بچنے کی تنبیہ' اقسام توحید' شرک اکبر اور شرک اصغر کی اقسام اور ان کے اسباب و ذرائع کا ذکر کرنے کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اپنی جگہ پر درست ہے۔ مگر امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) تو شرک اکبر میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ»(صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان، . . . ، ح:٢٨١٢)

"شیطان اس بات سے مایوس و نامراد ہو چکا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں نمازی (مسلمان) اس کی عبادت کریں' البتہ وہ ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا رہے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی امت "شرک اکبر" میں مبتلا نہ ہو گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ شیطان اس بات سے مایوس' ناکام اور نامراد ہو چکا ہے مگر اللہ نے اسے اس سے مایوس نہیں کیا۔ دوسری بات یہ کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ شیطان اس بات سے ناامید ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی عبادت کریں اور یہ بات یقینی ہے کہ نمازی ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے رہیں گے۔ اور سب سے بڑی برائی شرک ہے۔ جو لوگ صحیح معنوں میں نماز کی اقامت کریں' شیطان ان لوگوں سے واقعتاً مایوس ہے کہ وہ کبھی اس کی عبادت نہیں کریں گے۔ اس لیے حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ اس امت میں سے کوئی بھی شیطان کی عبادت (اطاعت) نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد کچھ عرب قبائل مرتد ہو گئے تھے۔ یہ بھی تو شیطان کی عبادت ہی تھی کیونکہ شیطان کی عبادت سے مراد اس کی اطاعت ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ⬅

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ نَصِيبًا مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ يُؤْمِنُونَ بِٱلْجِبْتِ وَٱلطَّٰغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۟ هَٰٓؤُلَآءِ أَهْدَىٰ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ سَبِيلًا ﴿٥١﴾ ﴾ (النساء٤/ ٥١)

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا' وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ صحیح راستہ پر ہیں۔"[1]

ہے:

﴿ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا۟ ٱلشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾ ﴾ (یس٣٦/ ٦٠)

"اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت (اطاعت) نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

اس آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح شرک کے ارتکاب اور ایمان اور اس کے تقاضوں کو ترک کرنے میں شیطان کی اطاعت اس کی عبادت کے مترادف ہے' اسی طرح اوامر ونواہی میں بھی اس کی اطاعت اس کی عبادت ہی ہے۔

(عربی عنوان میں مذکور لفظ) "اوثان"...... "وثن" کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ جس چیز کو بھی لوگ عبادت اور فریاد کا مستحق سمجھیں یا اللہ کے اذن اور حکم کے بغیر بھی اس کے نفع مند اور ضرر رساں ہونے کا عقیدہ رکھیں یا اس سے اس طرح ڈریں جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہئے' وہ کسی انسان یا غیر انسان کا مجسمہ اور تصویر ہو یا دیوار' قبر یا کوئی مردہ ہو' ایسی تمام اشیاء "وثن" کی تعریف میں شامل ہیں۔

[1] **جبت:** ہر وہ چیز جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی اعتقاداً مخالفت ہو وہ "جبت" ہے۔ جادو بھی جبت ہے' کاہن کو بھی جبت کہا جاتا ہے اور حقیر و گھٹیا ضرر رساں چیز کو بھی جبت کہتے ہیں۔

طاغوت: ہر وہ معبود یا متبوع جسے انسان اس کی حد سے بڑھادے' طاغوت ہے۔ شرعی طور پر متبوع کی حد یہ ہے کہ وہ انھی کاموں کا حکم دے جن کا شریعت نے حکم دیا ہے' اور ان کاموں سے روکے جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ لہٰذا شرعی حدود سے نکل کر جن کی عبادت' اتباع اور اطاعت کی جائے وہ سب طاغوت میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ﴾ (المائدہ٥/ ٦٠)

”(اے محمد ﷺ!) آپ ان لوگوں سے کہہ دیں، کیا تمھیں ان لوگوں کی نشان دہی کر دوں جن کا انجام اللہ کے ہاں، فاسقوں کے انجام سے بھی بدتر ہے؟ وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر اللہ کا غضب ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا اور جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی۔“ (١)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾ ﴾ (الکہف١٨/ ٢١)

”اور ان کے سرکردہ لوگوں نے کہا ہم تو ان کی غار پر ضرور مسجد (عبادت گاہ) بنائیں گے۔“ (٢)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ، حَتَّى لَوْ

وجہ مناسبت: پیش نظر باب سے اس آیت کی وجہ مناسبت یوں ہے کہ یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہونے کے باوجود بتوں اور شیاطین پر ایمان لے آئے اور نبی علیہ السلام نے بتلایا ہے کہ گزشتہ امتوں میں جو برائیاں واقع ہوئیں وہ اس امت میں بھی واقع ہوں گی۔ اس امت میں جادو پر ایمان رکھنے والے بھی ہوں گے اور غیر اللہ کی عبادت پر ایمان لانے والے بھی۔ الغرض وہ پچھلوں کے طریقوں پر چلیں گے۔

(١) بتوں کی پوجا، قبروں کی عبادت، اصحاب قبور کو معبود سمجھنا یہ سب طاغوت کی عبادت ہے۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ امت محمدیہ کے بہت سے افراد قبروں، آستانوں، درختوں، پتھروں وغیرہ کی عبادت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

(٢) جیسے ان لوگوں نے صالحین کی تعظیم میں غلو کیا اور ان کی غار پر اور قبروں پر مسجد بنالی، یہ امت بھی ضرور ایسے کام کرے گی کیونکہ سابقہ امتوں نے جو بھی شرکیہ خصلت اختیار کی، نبی ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق یہ امت اس کو ضرور اختیار کرے گی۔

دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَّدَخَلْتُمُوهُ، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! اَلْيَهُـودَ وَالنَّـصَارٰى؟ قَالَ: فَمَنْ؟»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٥٦ وصحيح مسلم، العلم، باب اتباع سنن اليهود والنصارى، ح:٢٦٦٩)

"تم پہلی امتوں کے راستوں کی پیروی کرتے ہوئے یوں ان کی برابری کرو گے جیسے تیر کا ایک پر دوسرے پر کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ ضب (سانڈے) کے بل میں گھسے تو تم بھی جا گھسو گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور کون؟" [1]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ زَوٰى لِيَ الأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُـلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ: الأَحْمَرَ وَالأَبْيَضَ، وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لأُمَّتِي أَنْ لاَّ يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّـةٍ، وَّأَنْ لاَّ يُسَلِّطَ عَلَيْهِـمْ عَـدُوًّا مِّنْ سِـوٰى أَنْفُسِهِمْ، فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَـتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّـهُ لاَ يُرَدُّ، وَإِنِّي أَعْطَـيْتُكَ لأُمَّتِكَ أَنْ لاَّ أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّـةٍ، وَّأَنْ لاَّ أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّـنْ سِـوٰى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَّنْ بِـأَقْطَارِهَا، حَتّٰى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْـضًا وَّيَسْبِيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا»(صحيح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لَتَتَّبِعُنَّ" کا لفظ بول کر قسمیہ انداز میں انتہائی تاکید کے ساتھ یہ پیش گوئی فرمائی کہ یہ امت پہلی امتوں کے راستوں کی پیروی ضرور کرے گی اور اس طرح ان سے برابری کرے گی جیسے تیر کا ایک پَر دوسرے پَر کے بالکل برابر ہوتا ہے۔ دونوں کے مابین کچھ فرق نہیں ہوتا۔
اس پورے باب کا انحصار اور دارومدار اس حدیث پر ہے' اس سے معلوم ہوا کہ سابقہ امتوں نے جس جس قسم کے کفر و شرک کا ارتکاب کیا یہ امت بھی ویسا ہی کفر و شرک ضرور کرے گی۔

ببعض، ح:۲۸۸۹)

"اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو اس حد تک سمیٹ اور سکیڑ دیا کہ میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لیے۔ میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین مجھے سمیٹ کر دکھائی گئی۔ اور مجھے سفید (چاندی) اور سرخ (سونا) دو خزانے عطا کیے گئے۔ اور میں نے اپنی امت کے لیے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ عام قحط سالی سے اسے ہلاک نہ کرے۔ اور ان پر کوئی ایسا بیرونی دشمن بھی مسلط نہ کرے جو انھیں تباہ کر کے رکھ دے۔ میرے رب نے فرمایا: اے محمد (ﷺ!) جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ میں آپ کی امت کے بارے میں آپ کی یہ دعا قبول کرتا ہوں کہ میں انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان پر کوئی ایسا بیرونی دشمن بھی مسلط نہیں کروں گا جو انھیں تباہ کر کے رکھ دے اگرچہ سارے دشمن ان کے خلاف متحد اور مجتمع کیوں نہ ہو جائیں۔ البتہ یہ خود آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بھی بنائیں گے۔"

اور اس حدیث کو امام حافظ البرقانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "الصحیح" میں روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے:

«وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي الأَئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ، وَإِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ السَّيْفُ لَمْ يُرْفَعْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَلْحَقَ حَيٌّ مِّنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى تَعْبُدَ فِئَامٌ مِّنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُونَ ثَلاَثُونَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَلاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورَةً، لاَ يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى»(سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، ح:٤٢٥٢ ومسند أحمد: ٥/٢٧٨، ٢٨٤)

"مجھے اپنی امت کے بارے میں صرف گمراہ پیشواؤں کا خدشہ ہے۔ اور جب ان میں

ایک دفعہ تلوار چل پڑی تو قیامت تک بند نہ ہو گی اور قیامت اس وقت تک بپا نہیں ہو گی جب تک میری امت کی ایک بڑی جماعت مشرکین سے نہ جا ملے اور میری امت کے بہت سے گروہ بت پرستی نہ کرنے لگیں۔ اور میری امت میں تیس (۳۰) دجال پیدا ہوں گے۔ وہ سب نبوت کا دعویٰ کریں گے' حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ (قیامت تک) حق پر رہے گا اور ان کی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مدد کی جائے گی۔ اور ان کا ساتھ چھوڑ جانے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے۔"[1]

مسائل

(۱) اس بحث سے سورۂ نساء کی آیت (۵۱)

(۲) اور سورۂ مائدہ کی آیت (۶۰)

(۳) اور سورۂ کہف کی آیت (۲۱) کی تفسیر معلوم ہوئی۔ (اول الذکر آیت میں ذکر ہے کہ اہل کتاب نے بتوں اور شیطان کی پوجا کی۔ دوسری آیت میں بیان ہے کہ طاغوت کی بندگی کرنے والوں یعنی مشرکین کا انجام فاسقوں سے بھی بد تر ہوا۔ اور تیسری آیت میں بیان ہے کہ لوگوں نے اصحاب کہف کے غار اور قبروں پر مسجد بنانے جیسے مذموم

---

[1] گمراہ پیشواؤں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں انسانوں نے دین یا سلطنت میں اپنے پیشوا بنا رکھا ہے جن کے ہاتھ میں انسانوں کی باگ ڈور ہے اور وہ بدعات و شرکیات کے ذریعے گمراہی پھیلاتے اور لوگوں کی نظروں میں اس قدر مستحسن کرکے دکھاتے ہیں کہ وہ انہیں حق ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ اس حدیث میں اس جماعت کو "منصورہ" کہا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت و برہان کے ذریعے ان کی مدد کی جائے گی۔ اس مدد سے مراد' شمشیر و سنان کی مدد نہیں اس لیے کہ اگرچہ بعض معرکوں میں انہیں ہزیمت سے دو چار ہونا پڑے یا ان کی حکومت و سلطنت ختم ہو جائے مگر اس کے باوجود وہ اپنے دلائل' نصوص' موقف کی پختگی اور درستی کی بنا پر سچے ہوں گے اور ان کے معاندین و مخالفین باطل پر ہوں گے۔

عمل کا ارتکاب کیا۔)

④ "جبت" (بت) اور طاغوت (شیطان) پر ایمان لانے کا مفہوم اچھی طرح واضح ہوا کہ اس سے صرف قلبی اعتقاد مراد ہے یا ان سے نفرت اور ان کے بطلان کا عقیدہ رکھتے ہوئے بظاہر ان کی موافقت؟

⑤ یہود کی یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اپنے کفر سے واقف کفار' اہل ایمان سے زیادہ صحیح راہ پر ہیں۔

⑥ معلوم ہوا کہ اس امت میں بھی وہی برائیاں پائی جاتی ہیں جو گزشتہ امتوں میں تھیں' جیسا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہے۔

⑦ اس امت کے بہت سے لوگ بت پرستی میں مبتلا ہوں گے۔

⑧ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ مختار ثقفی جیسا شخص نبوت کا دعویٰ کرنے لگا حالانکہ وہ توحید ورسالت کا معترف اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعویٰ کرتا اور مانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق اور قرآن کریم سچی کتاب ہے۔ اور اس قرآن میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ اس کی باتوں میں اس قدر واضح تضاد کے باوجود لوگ اس کی تصدیق کرتے رہے۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں ظاہر ہوا اور بہت سے لوگوں نے اس کی پیروی کی۔

⑨ اس حدیث میں یہ بشارت بھی ہے کہ امت محمدیہ سے کلی طور پر حق مٹ نہیں جائے گا جیسا کہ سابقہ زمانوں میں متعدد مرتبہ ایسا ہوا بلکہ اس کے برعکس اس امت میں ایک جماعت حق پر قیامت تک قائم رہے گی۔

⑩ اس میں ایک پیش گوئی اور اہل حق کی ایک علامت یہ بیان ہوئی ہے کہ اہل حق کی قلت کے باوجود ان کا ساتھ چھوڑ جانے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔

⑪ یہ پیش گوئی وجود قیامت تک برقرار رہے گی۔

⑫ اس حدیث میں مندرجہ ذیل اہم باتیں بطور خاص بیان ہوئی ہیں:

* نبی ﷺ کا فرمان: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ اور سکیڑ دیے۔ نبی ﷺ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا بخلاف شمال و جنوب کے (کہ نبی ﷺ نے ان کا ذکر ہی نہیں فرمایا)
* آپ کا یہ فرمان کہ مجھے دو خزانے عطا کیے گئے ہیں۔ ایک سفید (چاندی) اور ایک سرخ (سونا) (گویا ساری دنیا کے خزانے دیے گئے)۔
* نبی ﷺ نے یہ خبر دی کہ امت کے بارے میں آپ کی پہلی دو دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔
* اور تیسری دعا قبول نہیں ہوئی۔
* نبی ﷺ نے یہ پیش گوئی بھی فرمائی کہ جب اس امت میں تلوار چلی تو قیامت تک نہ رکے گی۔
* نبی ﷺ نے یہ بتایا کہ میری امت کے لوگ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بھی بنائیں گے۔
* نبی ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں گمراہ پیشواؤں کا خدشہ بھی ظاہر کیا۔
* نبی ﷺ نے یہ خبر دی کہ اس امت میں نبوت کے جھوٹے دعوے دار (جھوٹے نبی) پیدا ہوں گے۔
* آپ کا خبر دینا کہ ایک منصورہ (اللہ کی طرف سے مدد کی ہوئی) جماعت قیامت تک موجود رہے گی۔

نبی ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق یہ تمام باتیں حرف بحرف پوری ہوئی ہیں' حالانکہ عقلی طور پر ان تمام باتوں کا وقوع پذیر ہونا بڑا مشکل اور بہت بعید ہے۔

(۱۳) نبی ﷺ نے امت کے صرف گمراہ پیشوا طبقہ سے ضلالت و گمراہی کا خطرہ محسوس کیا۔ (ہدایت یافتہ پیشواؤں سے نہیں)

(۱۴) عبادت اوثان یعنی بت پرستی کا صحیح معنی اور حقیقی مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہوا۔

باب : ۲۳

جادو کا بیان [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾

(البقرہ ۲/ ۱۰۲)

"اور وہ خوب جانتے تھے کہ اس (جادو) کو خریدنے یعنی سیکھنے والے کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔" [2]

---

[1] جادو بھی شرک اکبر کی اقسام میں سے ہے اور توحید کے منافی ہے۔

جادو کی حقیقت: اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر میں شیطان سے خدمت لی جاتی ہے۔ کوئی جادوگر جب تک شیطان کا دوست، مقرب اور محبوب نہ ہو، اس کا جادو کارگر نہیں ہو سکتا۔ جب وہ شیطان کا مقرب بن جاتا ہے تو شیاطین اس طرح اس کی خدمت کرتے ہیں کہ وہ مسحور (جس پر جادو کیا جائے اس) کے بدن پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا کوئی جادوگر شیاطین کے تقرب کے بغیر جادوگر نہیں بن سکتا۔ اسی لیے جادو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے:

﴿وَمِن شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ﴾ (الفلق ۱۱۳/ ٤)

"(آپ کہہ دیں کہ میں دھاگے پروئی گئی) گانٹھوں پر پھونک مارنے والی (عورتوں یعنی) جادوگرنیوں کے شر سے (پناہ مانگتا ہوں)"۔

"نَفَّاثَات": یہ "نَفَّاثَةٌ" کی جمع اور "نَفَثَ" سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی پھونک مارنا۔ "نَفَّاثہ" جادوگرنی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنا عمل کرتے ہوئے گانٹھوں پر پھونکیں مارتی ہے اور مختلف کلمات و الفاظ پڑھ کر جنات سے مدد اور خدمت کی طالب ہوتی ہے تاکہ وہ مسحور کے بدن پر اثر انداز ہو سکے۔

[2] جادوگر توحید کے عوض جادو خریدتا ہے۔ گویا وہ توحید کو اپنے اس سودے (جادو) کی قیمت کے طور پر ادا کر ڈالتا ہے۔ اسی لیے توحید سے محروم مشرک کی طرح جادوگر کے لیے بھی آخرت میں کچھ نہیں ہو گا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بابت فرمایا:

﴿ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾ (النساء٤/ ٥١)

"وہ جادو اور شیطان پر ایمان رکھتے تھے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«اَلْجِبْتُ: السِّحْرُ، وَالطَّاغُوْتُ: الشَّيْطَانُ»(أخرجه الطبري في التفسير، برقم: ٥٨٣٤)

"یعنی "الجبت" کا معنی جادو اور "الطاغوت" سے مراد شیطان ہے۔"[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«اَلطَّوَاغِيتُ كُهَّانٌ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فِي كُلِّ حَيٍّ وَّاحِدٌ» (أخرجه ابن أبي حاتم في التفسير كما في الدر المنثور:٢/ ٢٢ ورواه البخاري في الصحيح معلقًا، فتح الباري:٨/ ٣١٧)

"طاغوت وہ کاہن ہیں جن پر شیطان اترتا تھا۔ اور ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن ہوتا تھا۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَارَسُوْلَ اللهِ! وَمَاهُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ،

---

[1] اہل کتاب کے جادو پر ایمان لانے کی بنا پر اس آیت میں ان کی مذمت کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر کے ان پر ناراضی کا اظہار کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جادو حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ چونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک کیا جاتا ہے' اس لیے ظاہر ہے کہ یہ شرک ہے۔ یہی حکم جادو کی تمام اقسام کا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ جبت کے مفہوم میں بہت سی اشیاء شامل ہیں۔ اور یاد رہے! یہودیوں کی نسبت سے ان میں سب سے واضح جادو ہے کیونکہ وہ جادو پر ایمان رکھتے ہیں اور طاغوت (شیطان) پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ طاغوت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی اطاعت میں لوگ حق اور صواب سے دور نکل گئے۔

وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب قوله تعالى ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتامىٰ ظلما﴾ ح:٢٧٦٦، ٥٧٦٤ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، ح:٨٩)

''سات مہلک کاموں سے بچ کر رہو۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ سات کام کون کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

① اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا
② جادو کرنا
③ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرنا
④ سود خوری
⑤ یتیموں کا مال کھانا
⑥ کفار سے مقابلے کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔
⑦ پاک دامن اور عفت مآب اہل ایمان عورتوں پر تہمت طرازی۔'' [1]

جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے (یعنی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں) کہ آپ نے فرمایا:

«حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ»(جامع الترمذي، الحدود، باب حد الساحر، ح:١٤٦٠)

''جادوگر کی حد (سزا) یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے''۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ روایت موقوف (صحابی کا قول) ہے۔ [2]

---

[1] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ سب کام مہلک اور دنیا و آخرت میں تباہی و خسارے کا سبب ہیں۔ اور یہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔ اس حدیث میں شرک کے معاً بعد جادو کے ذکر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جادو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے برابر ہے۔

[2] جادوگر کسی بھی نوعیت کا ہو اس کی سزا قتل ہی ہے۔ درحقیقت یہ مرتد کی سزا ہے اور چونکہ جادو میں شرک لازمی طور پر پایا جاتا ہے اور شرک کا اُرتکاب کرنے والا مرتد ہوتا ہے اور اس کا خون اور مال ←

بجالہ بن عبدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں لکھا:

«أُقْتُلُوا كُلَّ سَاحِرٍ وَّسَاحِرَةٍ، قَالَ: فَقَتَلْنَا ثَلَاثَ سَوَاحِرَ»(صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب، ح:٣١٥٦ وسنن أبي داود، الخراج، باب في أخذ الجزية من المجوس، ح:٣٠٤٣ ومسند أحمد:١/١٩٠، ١٩١ واللفظ له)

"ہر جادوگر مرد اور عورت کو قتل کر دو۔ آگے بجالہ کہتے ہیں سو ہم نے تین جادوگرنیوں کو قتل کیا۔"

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے:

«أَنَّهَا أَمَرَتْ بِقَتْلِ جَارِيَةٍ لَّهَا سَحَرَتْهَا، فَقُتِلَتْ، وَكَذٰلِكَ صَحَّ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ أَحْمَدُ: عَنْ ثَلَاثَةٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ»(الموطأ للإمام مالك، العقول، باب ما جاء في الغيلة والسحر، ح:٤٦)

"ان کی ایک لونڈی نے انہیں جادو کر دیا تو انہوں نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا' چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا تھا۔

اسی قسم کا قول جندب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جادوگر کو قتل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صحابہ (جندب' عمر اور حفصہ) رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے"۔ [1]

حلال ہو جاتے ہیں (اس کی عزت و عصمت اور حرمت و حفاظت باقی نہیں رہتی) اس لیے جادوگر کی یہ سزا اس کے مشرک اور مرتد ہونے کی بنا پر ہے۔

[1] جادو خواہ کسی بھی قسم کا ہو:

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا تفریق ہر جادوگر کو قتل کرنے کا حکم اور فتویٰ صادر فرمایا خواہ جادو کسی بھی قسم کا ہو۔ لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ہر قسم کے جادو سے اجتناب کریں۔ اور انہیں جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ شعبدہ بازی (جادو) کرتا ہے اس تک اور دوسرے لوگوں تک بھی یہ اسلامی تعلیمات پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو کر برائی کا قلع قمع کریں۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس علاقہ میں جادوگروں کا عمل دخل شروع ہو جائے وہاں فساد' ظلم' زیادتی اور سرکشی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

مسائل

① اس باب میں سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۲ کی تفسیر ہے جس میں جادوگروں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

② نیز اس باب سے سورۂ نساء کی آیت ۵۱ کی تفسیر بھی ہوئی جس میں بیان ہے کہ یہود' جادو اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں۔

③ جبت اور طاغوت کے معانی اور ان کے مابین فرق بھی واضح ہوا۔

④ طاغوت' جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔

⑤ مذکورہ حدیث سے ان سات کاموں کا بھی علم ہوا جو انتہائی مہلک اور خاص طور پر ممنوع ہیں۔

⑥ جادوگر کافر ہے۔

⑦ جادوگر کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اسے توبہ اور رجوع کی مہلت بھی نہ دی جائے۔

⑧ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی جادوگر موجود تھے تو اس سے بعد کے ادوار میں کیا حال ہو گا؟

باب : ۲۴

جادو کی بعض اقسام کا بیان [1]

قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْعِيَافَةَ وَالطَّرْقَ وَالطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ»

(سنن أبي داود، الكهانة والتطير، باب في الخط وزجر الطير، ح:٣٩٠٧)

"پرندوں کو اڑا کر فال لینا' زمین پر لکیریں کھینچنا (علم رمل) اور کسی چیز کو دیکھ کر بد فالی (بدشگونی) لینا' یہ سب جادو کی اقسام ہیں۔"

عوف کہتے ہیں "العِيَافَة" سے مراد ہے پرندوں کو اڑا کر فال لینا' اور "الطَّرْقُ" سے زمین پر لکیریں کھینچنا مراد ہے۔ یہ علم آج کل "علم رمل" کہلاتا ہے۔ [2]

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: شیطانی آہ وبکاء اور چیخ پکار "جبت" ہے۔ [3]

---

[1] لغوی طور پر جادو لفظ عام ہے۔ جس طرح اس میں یہ خاص مفہوم شامل ہے کہ جادوگر اپنی خدمت کے لیے شیاطین سے مدد کا خواستگار اور ان کی عبادت کر کے ان کے تقرب کا خواہش مند ہوتا ہے' اسی طرح نبی ﷺ نے اس کے علاوہ بعض ایسی چیزوں کو بھی جادو ہی کہا ہے جو درحقیقت جادو نہیں اور نہ ہی ان پر جادو والے حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔ گویا اس کے درجات مختلف ہیں۔ جادو کی ان اقسام میں فرق جاننا انتہائی ضروری ہے۔ جادو کی انہی اقسام میں تفریق کے لیے امام (مصنف) رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے۔

[2] ابوداود' الکہانة والتطیر' باب فی الخط و زجر الطیر' حدیث: 3908

[3] (مسند احمد' ۳/۴۷۷' ۵/۶۰) عوف رحمہ اللہ کی تفسیر کے مطابق "عیافہ" کا معنی پرندوں کو اڑا کر فال لینا ہے جیسا کہ مشرکین مکہ کیا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی کسی آدمی کی طرف جانا چاہتا تو پرندے کو اڑا کر دیکھتا کہ وہ اڑ کر کس طرف جاتا ہے اور جس طرف وہ جانا چاہتا پرندے کو اسی طرف اڑانے کی کوشش کرتا۔ اگر تو وہ پرندہ اسی طرف اڑ کر جاتا تو وہ آدمی یہ سمجھتا کہ اس کا کوئی کام بخوبی انجام پائے گا اور اگر پرندہ مخالف سمت میں اڑ کر جاتا تو وہ سمجھتا کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوگا۔ اسی عمل اور طریقے ←

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُومِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ، زَادَ مَا زَادَ» (سنن أبي دواد، الكهانة والتطير، باب في النجوم، ح:٣٩٠٥)

"جس نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا، اس نے اسی قدر جادو سیکھا۔ جتنا زیادہ سیکھتا جائے، اس کی وجہ سے گناہ میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا۔"[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً، ثُمَّ نَفَثَ فِيهَا فَقَدْ سَحَرَ، وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُّكِلَ إِلَيْهِ»(سنن النسائی، تحريم الدم، باب الحكم في السحرة، ح:٤٠٨٤)

"جس نے گرہ باندھ کر اس پر پھونک ماری، تحقیق اس نے جادو کیا۔ اور جس نے جادو

◄ سے وہ لوگ مستقبل کے بارے میں بھی شگون لیتے کہ آئندہ حالات خوشگوار ہوں گے یا پریشان کن۔

اسے جبت یعنی جادو کی ایک قسم کہا گیا ہے کیونکہ پیچھے گزر چکا ہے کہ جبت ہر اس گھٹیا اور رذیل چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کو حق سے روک اور ہٹا دے۔ چونکہ عیافہ بھی کسی کام سے رک جانے یا کر لینے کا سبب ہے اور جس طرح جادو اپنے اندر ایک خاص اثر رکھتا ہے اسی طرح عیافہ کا عمل بھی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں اثر انداز ہوتا ہے اس لیے اسے جبت اور جادو کی قسم کہا گیا ہے۔

"الطیرة" کا مفہوم عیافہ سے وسیع ہے کیونکہ عیافہ کے بہت سے معانی میں سے عوف رحمہ اللہ کے مقرر کردہ ایک معنی کے مطابق یہ عمل صرف پرندوں کے ساتھ خاص ہے جبکہ "طیرہ" سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے بدفالی اور بدشگونی لی جاتی ہے۔ آئندہ مستقل بحث میں اس کا ذکر ہوگا ان شاء اللہ۔

"الطرق" کا معنی زمین پر خط کھینچنا ہے۔ کاہن یا شعبدہ باز زمین پر لکیریں کھینچتا ہے پھر ایک ایک یا دو دو لکیروں کو تیزی کے ساتھ ہاتھ سے مٹاتا ہے جو لکیریں باقی رہ جاتی ہیں ان کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اس لکیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوگا اور یہ لکیر بتاتی ہے کہ ایسا ہوگا۔ یہ کہانت ہے اور کہانت جادو ہی کی قسم ہے۔

[1] اس سے ثابت ہوا کہ "علم نجوم" جادو کی قسم ہے۔ آیندہ ایک مستقل باب میں بیان ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ستارے کس لیے پیدا فرمائے ہیں۔

کیا وہ شرک کا مرتکب ہوا۔ اور جو کوئی (اپنے گلے' ہاتھ' بازو وغیرہ پر) کوئی چیز (باندھے یا) لٹکائے تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔''[1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلاَ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ؟ هِيَ النَّمِيمَةُ: الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ»(صحيح مسلم، البر والصلة ولادب، باب تحريم النميمة ح:٢٦٠٦ ومسند احمد، ١/ ٤٣٧)

''کیا میں تمہیں نہ بتلاؤں کہ جادو کیا ہے؟ (پھر خود ہی فرمایا) وہ چغلی ہے یعنی لوگوں کے درمیان (فتنہ اور لڑائی) کی باتیں کرنا۔''[2]

---

[1] گرہ باندھ کر اس پر پھونک مارنے سے مراد یہ ہے کہ شیاطین سے مدد لینے اور جنات کو حاضر کرنے کے لیے کوئی کلام پڑھ کر اس پر پھونک مارنا' لہٰذا گرہ پر ہر قسم کی پھونک مارنے کو جادو نہیں کہا جائے گا۔ واضح رہے کہ جب کوئی جادوگر گانٹھ دے کر اس پر پھونک مارتا ہے تو جن اس جادوگر کی خدمت کرتا اور اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جادوگروں کا خیال ہے کہ جب تک وہ گانٹھ نہ کھلے' جادو کا اثر زائل نہیں ہو سکتا۔ جادوگر جس مقصد کے لیے جادو کرتا ہے وہ اس گانٹھ اور پھونک دونوں کے اجتماع سے حاصل ہوتا ہے۔ گانٹھ بسا اوقات بڑی اور واضح ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات معمولی اور اس قدر چھوٹی ہوتی ہے کہ بڑی مشکل سے نظر آتی ہے۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیا اس کے لیے وہی کافی ہے اور جس نے غیراللہ کے ساتھ تعلق جوڑا اسے اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے' حالانکہ ہر مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کی محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ ہی فضل و انعام کرنے والا ہے' جیسا کہ اس نے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ ﴾ (الفاطر ٣٥/ ١٥)

''لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور صرف وہی اللہ سب سے مستغنی اور تعریفوں کے لائق ہے۔''

[2] پیش نظر حدیث میں لفظ ''العَضْہ'' وارد ہوا ہے۔ اس کا اطلاق جادو وغیرہ متعدد اشیاء پر ہوتا ہے۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا معنی ''چغلی'' بیان فرمایا ہے جس سے لوگوں کے درمیان فتنہ اور لڑائی ہو جائے۔

چغلی اور جادو میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ دو دوستوں میں تفریق یا دو دشمنوں کے درمیان محبت کرنے میں جادو کی خاص تاثیر ہوتی ہے جو انتہائی مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے۔ اسی طرح چغل خور بھی اپنی بات کے ذریعہ دوستوں کے درمیان تفریق اور دوریاں پیدا کرتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا»(صحيح البخارى، النكاح، باب الخطبة، ح:٥١٤٦، ٥٧٦٧ ومسند أحمد: ٢/١٦، ٥٩، ٦٣، ٩٤)

"کسی کسی کے بیان کرنے میں بھی جادو کی سی تاثیر ہوتی ہے۔"[1]

مسائل

① اس باب سے معلوم ہوا کہ "العِيَافَة" "الطَّرْق" اور "الطِّيَرَة" سب جادو کی اقسام ہیں۔

② ان تینوں کا معنی و مفہوم بھی خوب واضح ہوا۔

③ علم نجوم جادو ہی کی ایک صورت ہے۔

④ گرہ لگانا اور پھونک مارنا بھی جادو کی ایک شکلیں ہیں۔

⑤ چغلی بھی جادو کی ایک صورت ہے۔

⑥ بعض لوگوں کا فصیح و بلیغ کلام' بسا اوقات جادو کی سی تاثیر رکھتا ہے۔

---

[1] بعض فصیح الفاظ کانوں اور دلوں پر جادو کی طرح اثر کرتے ہیں جس سے انسان حق کو باطل یا باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ اس حدیث کی شرح میں اہل علم کے متعدد اقوال ہیں۔ ان میں سے صحیح قول یہ ہے کہ اس حدیث میں جادو کی طرح اثر انداز ہونے والے بیان کی مدح نہیں بلکہ مذمت ہے۔

چونکہ اس باب میں حرام کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں اس لیے شیخ رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ حدیث بھی بیان کر دی ہے۔